Rs. 10/-

نئی دہلی

ماہنامہ

کتاب نُما

مارچ ۲۰۰۷

دائیں سے بائیں: بیگم شاہد مہدی، سید محمد افضل رجسٹرار جامعہ ملیہ اسلامیہ، سید راشد حامدی کلام سناتے ہوئے،
سید شاہد مہدی صدر محفل، احمد فراز، شہپر رسول ناظم مشاعرہ اور عبید صدیقی
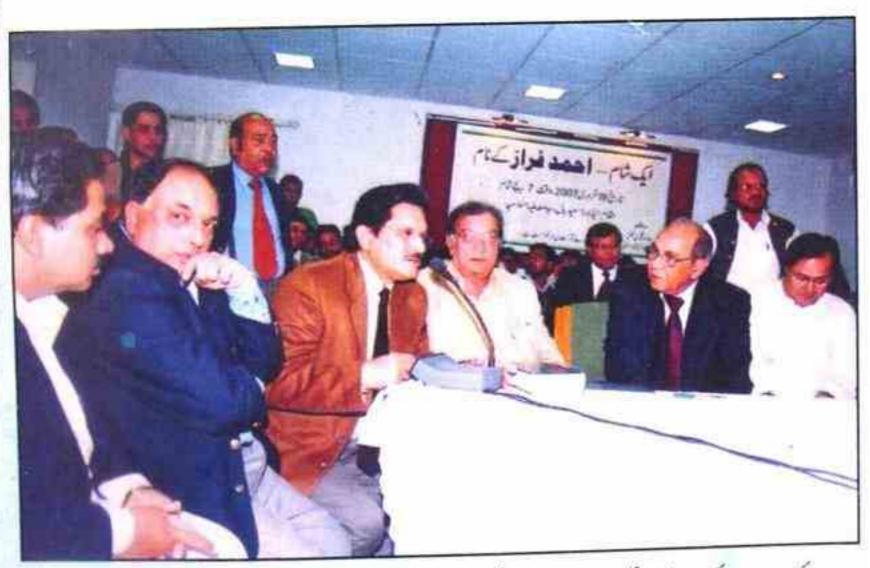
دائیں سے بائیں: مشہور فلم اداکار فاروق شیخ، سید شاہد مہدی، احمد فراز، شہپر رسول کلام سناتے ہوئے
پشت پر کھڑے ہوئے ہمایوں ظفر زیدی، عبید صدیقی اور شہزاد انجم

نظریاتی تنازعوں کے دور میں ایک غیر جانب دارانہ روایت کا نقیب

ماہنامہ

کتاب نما

نئی دہلی ۲۵

مارچ ۲۰۰۷ء جلد ۴۷ شمارہ ۳

فی پرچہ 10/
سالانہ 100/
سرکاری تعلیمی اداروں سے 150/
غیر ممالک سے (بذریعہ ہوائی جہاز) 25 امریکی ڈالر
یا 15 پونڈ

مجلس ادارت : صدیق الرحمٰن قدوائی

اڈیٹر : ہمایوں ظفر زیدی

معاون اڈیٹر : محمد محفوظ عالم

e-maill:maktaba@ndf.vsnl.net.in
e-maill:maktabajamia@rediffmail.com

ٹیلی فون نمبر :011-26987295/ 32488286

صدر دفتر:

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ 110025

شاخیں:

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار، دہلی۔6 فون :23260668

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنس بلڈنگ، ممبئی۔3 23774857

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، یونی ورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ۔2 2706142

کتاب نما میں شائع ہونے والے مضامین و بیانات نقد و تبصرے کے ذمے دار خود مصنفین ہیں۔ ادارہ کتاب نما کا ان سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

پرنٹر پبلشر اے، قدیر خاں نے مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لیے لبرٹی آرٹ پریس، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی۔۲ میں چھپوا کر جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔

اس شمارے میں

اداریہ مدیر ۳

گوشہ احمد فراز

احمد فراز مشاہیر کی نظر میں ۵
بخط شاعر احمد فراز ۶
احمد فراز کی شاعری شمیم حنفی ۷
میری نظمیں میری غزلیں احمد فراز ۱۹_۲۵

مضامین

تحسین ناشناس سید حامد ۲۶
اردو میں فارسی ضرب الامثال (آخری قسط)
سرور عالم راز سرور ۴۰
ساحر لدھیانوی کی فلمی...... انور ظہیر انصاری ۵۵

نظمیں / غزلیں

غزل رفعت سروش ۳۳
ہدیہ تہنیت سید امتیاز الدین ۳۴
غزل شہباز ندیم ضیائی ۳۵
رباعیات/غزل امیر چند بہار/رئیس صدیقی ۳۶
وقت سے قبل/فاتحہ آشا پربھات/
غیاث الرحمٰن شکیب ۳۷
غزلیں اکرم نقاش/بھٹنا گر شاداب ۳۸
غزلیں جاوید اکرم/سالم شجاع ۳۹

طنز و مزاح

شری سے پدم شری تک مجتبیٰ حسین ۶۶

کھانی

خوانچہ والا محسنہ جیلانی ۷۱
رفتار ادب ۷۶
کھلے خطوط اور ادبی و تہذیبی خبریں

نئی مطبوعات

سعادت حسن منٹو ایک لیجنڈ مرتب: ڈاکٹر ہمایوں اشرف 750/
حالی کی سوانح نگاری ملک راشد فیصل -/100
مورو آمی (بچوں کی کہانیاں) ادریس صدیقی موئی -/175
ولی سے اقبال تک ڈاکٹر سید عبداللہ -/200
پروفیسر قمر اعظم ہاشمی ایک ہمہ جہت شخصیت
مرتب: ولی احمد ولی -/300
قومی وطنی شاعری کا منظر نامہ (اول) منظر اعجاز -/175
اعجاز منظر (تنقید) منظر اعجاز -/250
نقار خانہ (افسانے) نوشابہ خاتون 150/
ترشول (ناول) محمد ارمان حسین -/150
مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا مرتب: یوسف مثالی -/100
فاروق بانسپاری (حیات اور شعری خدمات)
ڈاکٹر سید شکیب ارسلان -/150
سیتا ہرن کا تنقیدی جائزہ ڈاکٹر عائشہ سلطانہ -/25
دعائیں جل رہی ہیں (شعری مجموعہ) خورشید طلب -/150
فرید، نانک، بلہا (حیات، تعلیمات اور منتخب کلام)
مرتبہ: آدم بٹ 150/
نگاہ طائرانہ (تبصرے، دیباچے، تنقیدی اشاریے)
مظہر امام -/200
ریڈیو نشریات آغاز و ارتقاء حسن مثنیٰ -/300
فکر فن فنکار حسن مثنیٰ -/200
برصغیر میں اردو ناول ڈاکٹر خالد اشرف 300/
شان اودھ بیگم حضرت محل وسیم احمد سعید -/250
قمر رئیس علمی و ادبی شناخت خوشنودہ نیلوفر -/200
اردو افسانے میں حقیقت نگاری
ڈاکٹر رونق جہاں بیگم -/250
غبار خاکی (مزاحیہ مضامین کا مجموعہ) سبط اختر -/125
بہت دور تک رات ہوگی (ڈراما) زاہدہ زیدی 100/
اصناف نظم ساحل -/200
مسلمانوں کا عروج و زوال ڈاکٹر عبدالرقیب -/40
جدید ہندی شاعری خالد علوی -/100

شرح غزلیات غالب فارسی اول
صوفی غلام مصطفیٰ تبسم -/400
شرح غزلیات غالب فارسی دوم
صوفی غلام مصطفیٰ تبسم -/600

قند و ز قند (طنز و مزاح) فیاض احمد فیضی -/150
کالم برداشتہ مجتبیٰ حسین -/300
پروفیسر مظفر حنفی سوالوں کے حصار میں
تدوین رتہذیب: فیروز مظفر -/200
روشنائی سجاد ظہیر -/250
بہار شباب حکیم غلام محمود خاں -/80
خوشبوئے چمن (اردو کے بہترین منتخب اشعار کا مجموعہ)
انتخاب اشوک ساہنی -/275
تحریک خلافت اور جدو جہد آزادی
ڈاکٹر منور حسن کمال -/175
افسانہ نگار احمد ندیم قاسمی آثار و افکار
ڈاکٹر افشاں ملک -/200
حرف چند (مضامین) ڈاکٹر ابوالکلام -/150
تاریخ صحافت محمد افتخار کھوکھر -/150
سلامت روی کرنل محمد خاں -/150
بجنگ آمد کرنل محمد خاں -/120
بزم آرائیاں کرنل محمد خاں 110/
اقبال نامے (اضافہ شدہ تیسرا اڈیشن) اقبالیات
ڈاکٹر اخلاق اثر -/125
شاخ صنوبر شاعری کرامت علی کرامت 200/
گلدستہ بیت بازی بیت بازی
مرتبہ: ڈاکٹر وسیم اقبال نگینوی 100/
حفیظ جونپوری حیات و شاعری ادب
طفیل انصاری
تحریک خلافت اور جدو جہد آزادی تاریخ
ڈاکٹر منور حسن کمال -/175
تعبیر کا سفر (سفر نامہ حج) ڈاکٹر شیخ رحمٰن آکولوی ہدیہ

اداریہ

پچھلے دنوں احمد فراز ہندستان آئے ہوئے تھے۔ علی گڑھ میں کئی مشاعرے اور نشستیں پڑھ کر وہ دہلی تشریف لائے تو مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کی طرف سے جامعہ کلچرل کمیٹی، اردو اکیڈمی اور ساہتیہ اکیڈمی کے اشتراک سے ایک یادگار محفل منعقد کی گئی۔ جس میں احمد فراز نے اپنا تازہ کلام پیش کیا۔ ان کے علاوہ اردو ادب کے نامور شعراء کرام عبید صدیقی، ناصر الدین خاں، شہپر رسول، احمد محفوظ، شہباز ندیم ضیائی، تابش مہدی، کوثر مظہری، سید راشد حامدی، سرور الہدیٰ اور راقم السطور نے بھی اپنا کلام پیش کیا۔ سامعین نے نہایت وقار اور متانت کے ساتھ احمد فراز کے کلام کو نہ صرف سنا بلکہ انھیں بے پناہ داد و تحسین اور محبتوں سے بھی نوازا۔

محفل مشاعرہ کی صدارت سید شاہد مہدی وائس چیئرمین انڈین کونسل فار کلچرل ریلیشنز نے کی جبکہ مشہور اداکار فاروق شیخ مہمان خصوصی کی حیثیت سے رونق محفل تھے۔

ہم اس شمارہ میں احمد فراز کا خصوصی گوشہ شائع کر رہے ہیں جو بیک وقت ہماری شکر گزاری کا اعتراف بھی ہے اور فراز کے حضور اظہار عقیدت بھی۔

فراز بلاشبہ ہمارے عہد کے مقبول ترین شاعر ہی نہیں وہ بقول شخصے ایک زندہ لیجنڈ (Legend) کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ یہاں ہم ان کے مرحوم دوست اور مداح منصور قیصر کی تحریر کا ایک اقتباس پیش کرنا مناسب سمجھتے ہیں:

''احمد فراز دلکش شخصیتوں میں سے ہے جو اپنی زندگی میں ہی ایک لیجنڈ بن جاتی

ہے جو شہرت اور محبوبیت فراز کو حاصل ہوئی ہے وہ بہت کم تخلیق کاروں کو نصیب ہوئی۔ فراز نے اپنی شاعری کی آنکھ ایک ایسے عہد میں کھولی جس میں بہت سی توانا آوازیں پہلے سے موجود تھیں اور ان توانا آوازوں کو اپنی انفرادیت کی پہچان کروانے کے لیے ضروری تھا کہ نئی آواز زیادہ بھرپور، زیادہ توانا اور زیادہ چونکا دینے والی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ احمد فراز اپنی منفرد بوطیقہ کے قیام کے لیے اپنے عہد کا فرہاد بنا اور اپنے تخلیقی عمل کو سرخ رو کرنے کے لیے شعور و جذبہ کے ایسے پل صراط سے گزرا جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ کاٹ دار ہے۔''

اس مخصوص گوشے میں شمیم حنفی صاحب کا ایک مضمون شامل اشاعت ہے۔

ہم اس گوشے میں فراز کی ایک نظم اور چند غزلیں بھی قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ اس خصوصی گوشے کے سلسلے میں ہمیں آپ کے تاثرات کا انتظار رہے گا۔

پچھلے شمارے میں احمد ندیم قاسمی، منیر نیازی، شوکت صدیقی کے گوشے اور مغیب الرحمٰن کی غزلوں کی پسندیدگی کا شکریہ۔

ہمایوں ظفر زیدی

''احمد فراز کے کلام میں خیال اور جذبہ کے قالب اور شعر کا لباس الگ الگ دکھائی نہیں دیتے بلکہ آپس میں پیوست ہیں۔ شاعر کو یہ بات جب ہی نصیب ہوتی ہے جب اس کا جذبہ اور فن دونوں یکساں، پُرخلوص اور یکساں سچے ہوں یہی خلوص اور سچائی احمد فراز کے کلام کی امتیازی خصوصیت ہے۔''

فیض احمد فیض

احمد فراز — مشاہیر کی نظر میں

احمد فراز کی شاعری اردو میں ایک نئی اور انفرادی آواز کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کے وجدان کی اور جمالیاتی شعور کی ایک خاص شخصیت ہے جو نہایت دلکش خدوخال سے مزین ہے۔ ان کے سوچنے کا انداز نہایت حساس اور پُر خلوص ہے۔ ان کی شاعری کو صرف کلاسیکی یا صرف رومانی شاعری نہیں کہا جاسکتا ہے بلکہ دورِ حاضر کے لطیف ذہنی ردِ عمل کا سچا نمونہ کہا جاسکتا ہے۔ وہ صداقت کے نئے مقامات سے اپنی باتیں کہتے ہیں اور یہ باتیں دعوت فکر دیتی ہوئی حد درجہ دلکش و دل نشیں ہیں۔ ان کا کلام اردو شاعری کے نئے موڑ کے کئی نازک زاویوں کی لچک اور تھرتھراہٹیں اپنے اندر رکھتا ہے اور خیال کی ترتیب وتہذیب کا کافی سامان بھی اس میں موجود ہے۔

فراق گورکھپوری

فراز اپنے وطن کے مظلوموں کے ساتھی ہیں انھی کی طرح تڑپتے ہیں مگر روتے نہیں بلکہ ان زنجیروں کو توڑتے، ٹکڑے بکھیرتے نظر آتے ہیں جو ان کے معاشرے کے جسم کو جکڑے ہوئے ہیں۔ ان کا شعر نہ صرف یہ کہ اعلا ادبی معیار کا ہے بلکہ ایک شعلہ ہے جو دل سے زبان تک لپکتا ہوا معلوم ہوا ہے۔ یہ آئے فیض اور ن۔ م راشد کے بعد مگر اساتذۂ سخن میں شمار ہوتے ہیں۔ ایک اچھا شاعر اپنے بعد آنے والوں کو راہ دکھاتا اور متاثر کرتا ہے۔ فراز کا شمار اب ان میں ہے۔

مجروح سلطانپوری

احمد فراز پاکستان کے ان معدودے چند فن کاروں میں سے ایک ہیں جو اردو شاعری کے مستقبل کے امین ہیں اور جن کے بارے میں نہایت اعتماد کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ ان کا فن مسلسل ارتقا پذیر رہے گا اور وہ اردو شاعری کی فنی روایات کو نہ صرف آگے بڑھائیں گے بلکہ ان روایات میں خوبصورت اضافے بھی کریں گے۔ خاص طور سے احمد فراز کے سلسلے میں یہ دعوا اس لیے کیا جاسکتا ہے کہ انھوں نے قدیم وجدید کے نہایت حسین اور دلآویز مرکب پر کامیاب تجربے کیے ہیں۔ ان کے کلام کا یہی وہ رخ ہے جس کی وجہ سے انھوں نے اردو شعرا کی صف اول میں جگہ حاصل کرلی ہے۔

احمد ندیم قاسمی

دکھ فسانہ نہیں کہ تجھ سے کہیں
دل بھی مانا نہیں کہ تجھ سے کہیں

آج تک اپنی بیکلی کا سبب
خود بھی جانا نہیں کہ تجھ سے کہیں

بے طرح حالِ دل ہے اور تجھ سے
دوستانہ نہیں کہ تجھ سے کہیں

ایک تو حرف آشنا تھا مگر
اب زمانہ نہیں کہ تجھ سے کہیں

اے خدا دردِ دل ہے بخششِ دوست
آب و دانہ نہیں کہ تجھ سے کہیں

احمد فراز

پروفیسر شمیم حنفی

احمد فراز کی شاعری
(میری ہزاروں آوازیں ہیں)

معروف شخصیتوں اور تخلیقات کے گرد، کبھی کبھی، ایک رمز آمیز دائرہ ایک ہالہ سا بن جاتا ہے۔ ہم کبھی تو اس ہالے کو اس شخصیت یا تخلیق تک رسائی یا اس سے شناسائی کے ایک وسیلے کے طور پر دیکھتے ہیں۔ اور کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ اس شخصیت یا تخلیق تک پہنچنے کے لیے اسے توڑنا / منتشر کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ احمد فراز کی شاعری کے گرد سب سے زیادہ دھند ان کی بے حساب شہرت اور مقبولیت نے پھیلائی ہے۔ ہمارے زمانے میں اچھی نظم اور اچھی غزل کہنے والے، منیر نیازی سے لے کر احمد مشتاق تک اور لوگ بھی ہیں۔ لیکن ان کے اوصاف اور ان کی پہچان کے نقش ونشان بہت صاف اور واضح ہیں کہیں کوئی متنازعہ پیچ، کسی طرح کا دھندلکا نہیں ہے۔ لیکن فراز کی عام مقبولیت اور بے حساب شہرت نے ان کی شاعری پر سنجیدہ سوچ بچار کے راستے میں خاصی مشکلات پیدا کر دی ہیں۔ کچھ ایسی ہی صورت حال فیض صاحب کے معاملے میں بھی سامنے آئی تھی۔ ان کے ہم عصروں میں ن م راشد سے سردار جعفری تک، ان کی شہرت اور مقبولیت ایک مستقل مسئلہ بنی رہی۔ کسی نے ان کو فکری تساہل کا قصوروار ٹھہرایا، کسی نے خارجی آرائش و زیبائش کو ان کی شاعری کی عام کشش کا سبب بتایا۔ لیکن فیض صاحب اپنے اعتماد خلقی اور استغنا کے ساتھ اپنا سا شعر کہتے رہے۔ انھیں کبھی بھی اس بات سے غرض نہیں رہی کہ ان کے بعض جید معاصرین کی طرف سے ان کی شاعری پر جو اعتراضات وارد ہوئے ہیں، ان کی حقیقت کیا ہے۔

احمد فراز، فیض صاحب کے بعد ہمارے مقبول ترین شاعر ہیں۔ انھیں جیتے جی ایسی شہرت ملی ہے جو افسانہ بن جاتی ہے۔ فراز کے بعض معاصرین بھی ان کی شاعری پر معترض ہوتے ہیں اور ۱۹۶۰ء کے بعد کی نظم اور غزل کے جائزوں میں اکثر فراز سے زیادہ ذکر ایسوں کا بھی ہوتا ہے جو ان کی شاعرانہ حیثیت کو نہیں پہنچتے۔ لیکن فراز کے تخلیقی انہماک میں اس واقعے سے کبھی فرق نہیں آیا۔ اس ضمن میں پہلی بات تو یہی ہے کہ چالیس پینتالیس برس تک مسلسل اتنی شہرت اور مقبولیت کا بوجھ سنبھالے رکھنا، بجائے خود ایک کارنامہ ہے۔ دوسری اور زیادہ اہم بات یہ ہے کہ فراز کی شاعری کے اوصاف اور محاسن کی بنیادوں تک پہنچنے کی کوئی باضابطہ کوشش ابھی تک تو ہوئی

نہیں۔ غیر معمولی شہرت اور بے تحاشا مقبولیت اس شاعری کا حجاب بن کر رہ گئی ہے۔ میرا اپنا تعارف اس شاعری سے تقریباً انہی دنوں ہوا جب فراز کی ابتدائی نظمیں اور غزلیں پہلے پہل شائع ہوئی۔ اور میرے اولین تاثر کی تصدیق اس وقت ہوئی جب فراق کی تازہ تصویر دیکھ کر کہی جانے والی ان کی ایک نظم سامنے آئے۔

ایک سنگ تراش جس نے برسوں
ہیروں کی طرح صنم تراشے
آج اپنے صنم کدے میں تنہا
مجبور، نڈھال، زخم خوردہ
دن رات پڑا کراہتا ہے

وغیرہ وغیرہ۔ خود فراق صاحب پر فراز کی اس نظم نے اتنا گہرا تاثر مرتب کیا تھا کہ کئی روز تک وہ اپنے ہر ملاقاتی کو یہ نظم سناتے رہے۔ اصل میں فراز کی ایک خوبی جسے وہ شروع سے اب تک یکساں کامیابی کے ساتھ نبھائے جا رہے ہیں اپنے احساسات کو رنگوں اور شبیہوں کے واسطے سے بیان کرنے کا غیر معمولی ملکہ ہے، کسی بھی کیفیت یا تجربے کے اظہار میں تاثیر اس وقت پیدا ہوتی ہے جب اس کیفیت یا تجربے کا معروضی تلازمہ ہاتھ آ جائے۔ فراز کی شاعری کا بنیادی خمیر اس کا تصوراتی (Conceptual) ہونا ہے، گویا کہ اپنے ہر شعر کے ذریعے وہ اپنی کسی ذہنی رو، کسی خیال کا اظہار کرنا چاہتے ہیں اور ان کا ہر شعر اپنی ایک خاص فکری اساس رکھتا ہے، لیکن یہ شاعری محض خیال کی شاعری نہیں ہے۔ خیال محض کی شاعری تو وہ ہوتی ہے جو ایک ویران اور بے برگ و بار باطن کی سطح سے نمودار ہوتی ہے اور پڑھنے والے کے احساسات کو منور کیے بغیر اس کے شعور کی بس بیرونی پرت کو چھوتی ہوئی گزر جاتی ہے۔ فراق صاحب کا یہ تاثر کہ ”...... فراز کے وجدان کی اور جمالیاتی شعور کی ایک خاص شخصیت ہے جو نہایت دلکش خد و خال سے مزین ہے“ اسی حقیقت کی تائید کرتا ہے کہ فراز کے اشعار صرف ان کی سوچ کو بے نقاب نہیں کرتے، ان کے پورے وجود کی تصویر سامنے لاتے ہیں۔ اور فراز کی شاعرانہ شخصیت کا تجزیہ کیا جائے تو اس کے چند بنیادی اوصاف کی نشاندہی ہوتی ہے۔ یہ شخصیت اپنی تراش خراش، نفاست اور اشعار سے ایک طرح کی تکمیل کا احساس جگانے کے باوجود نہ تو صرف کلاسیکی ہے نہ صرف رومانی کلاسیکی رچاؤ اور رومانیت فراز کی شاعری کے صرف ایک پہلو سے تعبیر کیے جا سکتے ہیں۔ یہ دونوں خوبیاں مل کر ان کی نظموں غزلوں میں اثر انگیزی کی اسی جادوئی کیفیت کا سبب بنتی ہیں جو صرف ذہنی تجربوں پر تکیہ کرنے والی شاعری کا مقسوم نہیں ہوتی۔ احمد ندیم قاسمی نے لکھا ہے کہ ”فراز نے قدیم و جدید کے

نہایت حسین اور دلآویز مرکب پر کامیاب تجربے کیے ہیں۔'' بہ ظاہر یہ رائے رسمی اور صرف ایک تاثر پر مبنی محسوس ہوتی ہے، لیکن واقعہ یہی ہے کہ فراز نے اپنی شاعری کو نہ تو کسی خاص وضع کا پابند ہونے دیا نہ قدیم وجدید کے مابین کوئی حد مقرر کی۔ ہمارے عہد کے عام جدید شاعروں کے برعکس ،فراز کی شاعری کا عقبی پردہ مغربی زبانوں کے ادب یا شعری ہیئتوں کے بجائے فارسی اور اردو کی کلاسیکی شاعری نے مہیا کیا ہے۔ ان کی زبان وبیان میں فارسی غزل اور اردو کی کلاسیکی غزل کے رنگ صاف جھلکتے ہیں۔ اساتذہ کی زمینوں میں انھوں نے بہت سی غزلیں کہی ہیں اور ان میں بھی ان کی ترجیحات سودا، میر، مصحفی، آتش، غالب کے قائم کردہ اسالیب کی پابند ہیں۔ فراز کا امتیاز یہ ہے کہ اساتذہ کی پیروی کرتے ہوئے بھی وہ اپنا تشخص محفوظ رکھتے ہیں اور اساتذہ کے شب چراغ کی روشنی سے فیض اٹھانے کے باوجود اپنی تخلیقیت کو بجھنے نہیں دیتے۔ مثال کے طور پر ان کی غزل سے یہ چند اشعار دیکھیے:

کج اداؤں کی عنایت ہے کہ ہم سے عشاق
کبھی دیوار کے پیچھے کبھی دیدار کے بیچ

تم ہو نا خوش تو یہاں کون ہے خوش پھر بھی فراز
لوگ رہتے ہیں اسی شہرِ دل آزار کے بیچ

محبتوں کا بھی موسم ہے جب گذر جائے
سب اپنے اپنے گھروں کو تلاش کرتے ہیں

سنا ہے کل جنھیں دستار افتخار ملی
وہ آج اپنے سروں کو تلاش کرتے ہیں

رات کیا سوئے کہ باقی عمر کی نیند اڑ گئی
خواب کیا دیکھا دھڑکا لگ گیا تعبیر کا

اب تو ہمیں بھی ترکِ مراسم کا دکھ نہیں
پر دل یہ چاہتا ہے کہ آغاز تو کرے

اب تو ہم گھر سے نکلتے ہیں تو رکھ دیتے ہیں
طاق پر عزتِ سادات بھی دستار کے ساتھ

ہم کو اس شہر میں تعمیر کا سودا ہے جہاں
لوگ معمار کو چن دیتے ہیں دیوار کے ساتھ

اتنے سکوں کے دن کبھی دیکھے نہ تھے فراز
آسودگی نے مجھ کو پریشان کردیا

وصل و ہجراں ہیں اور دنیائیں
ان زمانوں میں ماہ وسال کہاں

رکے تو گردشیں اس کا طواف کرتی ہیں
چلے تو اس کو زمانے ٹھہر کے دیکھتے ہیں

رہ وفا میں حریف خرام کوئی تو ہو
سو اپنے آپ سے آگے نکل کے دیکھتے ہیں

مرے حریف کھلے دل سے اب شکست بھی مان
نہ یہ کہ فرط ندامت سے منہ پہ چادر کھینچ

یہ رعونت تا بکے اے دل فگاراں دیکھنا
ابرے گا طرہ سلطاں سر سلطاں سمیت
آ فصیل شہر سے دیکھیں غنیم شہر کو
شہر جلتا ہو تو تجھ کو بام پر دیکھے گا کون

ان اشعار سے جو موزیک بنتا ہے اس سے ایک رومانی، ایک نو کلاسیکی، ایک جدید، ایک باغی شاعر کی تصویر ایک ساتھ سامنے آتی ہے۔ فراز کی حسیت کے ایک ساتھ کئی نام ہیں اور ایک ساتھ کئی چہرے۔ ان میں سب سے نمایاں صورتیں دو ہیں، ایک تو کسی ازلی اور ابدی عاشق کی، دوسری ایک ریڈیکل، حساس، جذباتی انقلابی کی جو گرد و پیش کی زندگی سے غیر مطمئن اور اپنے ماحول سے برسرپیکار دکھائی دیتا ہے۔ فیض کے بعد فراز کا نام اس حیثیت سے نمایاں ترین کہا جا سکتا ہے کہ ان کی بصیرتوں کا پس منظر ان کی ادبی روایت، ان تک سینہ بہ سینہ منتقل ہونے والی کلاسکی قدروں کے ساتھ ساتھ ان کے زمانے کی اجتماعی زندگی اور ان کی تاریخ نے ساتھ ساتھ مرتب کیا ہے۔ فراز کی حسیت اسی لیے بیک وقت روایتی بھی ہے اور جدید بھی۔ ایجاب اور انتخاب کا عنصر

ں حسیت کی ترکیب میں ہمیں ایک ساتھ شامل نظر آتا ہے۔ پھر ہمارے عہد کی انسانی صورت حال
کے کچھ اپنے تقاضے ہیں۔ ان سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ضروری ہے کہ آج کا ادب اور آج کا
ادیب مزاحمت اور احتجاج کے رویے سے دست بردار نہ ہو۔ فراز کی شاعری میں کلاسیکی آداب کی
پاسداری کے علاوہ انکار، احتجاج اور مزاحمت کا میلان بھی اپنے تمام معاصرین کے مقابلے میں
زیادہ روشن اور تابناک دکھائی دیتا ہے۔ مزاحمت کی روایت جسے معاصر ادب (بالخصوص پاکستان
میں تخلیق کیے جانے والے ادب) کی مرکزی روایت کا نام دیا جا سکتا ہے، اپنی سب سے مانوس
اور معروف شکلوں میں فیض کے بعد حبیب جالب اور فراز کے یہاں رونما ہوئی۔ مگر اس فرق کے
ساتھ کہ جالب نے عوامی مقبولیت کے پھیر میں اپنے مزاحمتی رویے اور احتجاجی لہجے کی تہذیب پر
کوئی توجہ نہ دی اور فراز کے یہاں زندگی اور شاعری کے مطالبات کی یکساں ادائیگی کا شعور ہمیشہ
مستحکم رہا۔ فراز کے یہاں کلاسیکی دروبست اور شعر کے فنی محاسن کی فہم نے ان کے حرف احتجاج کو
کبھی عریاں نہیں ہونے دیا۔ وہ سخت سے سخت بات بھی سنبھل کر کہنے کا گر جانتے ہیں۔ اپنے عہد
کی ہر ایسی واردات پر جو اجتماعی زندگی کے آشوب سے متعلق ہے، اپنا بیان دیتے ہیں۔ لیکن ان کی
شاعری صرف بیان کی شاعری بھی نہیں ہے۔ بیان کی شاعری، ان کے یہاں ایک مرتب اور
منضبط، محکم شاعرانہ بیان کے طور پر نمودار ہوتی ہے۔ شاید اسی لیے ہجوم کی آواز اور اجتماعی طرزِ
احساس کو طرح طرح کے رنگوں میں سامنے لانے کے بعد بھی فراز کا لہجہ ایک انفرادی پہچان رکھتا
ہے۔ وہ مانوس استعاروں، علائم، نشانات کو بھی اپنے صرف میں اس طرح لاتے ہیں کہ ان میں
ایک غیر رسمی جہت خود بہ خود پیدا ہو جاتی ہے۔ صلابت اور نرمی کا، احتجاج اور افسردگی کا، شعور کی
تلخی اور گھلاوٹ کا ایسا امتزاج ہمیں اس عہد کے دوسرے شعرا کے یہاں بہت کم ملتا ہے۔ فراز کی
نظموں اور غزلوں میں نالہ اس خاموشی کے ساتھ نغمہ بنتا ہے اور شخصی شعری تجربہ ایسے خود کار انداز
میں عوامی اور اجتماعی واردات کی شکل اختیار کر لیتا ہے کہ ان کا شعر سننے یا پڑھنے والے کے ادراک
پر ان کی کڑی بات کبھی بوجھ نہیں بنتی۔

مجھے ترے درد کے علاوہ بھی
اور دکھ تھے یہ مانتا ہوں
ہزار غم تھے جو زندگی کی
تلاش میں تھے یہ جانتا ہوں
مجھے خبر تھی کہ تیرے آنچل میں
درد کی ریت چھانتا ہوں

مگر ہر اک بار تجھ کو چھو کر
یہ ریت رنگ حنا بنی ہے
یہ زخم گلزار بن گئے ہیں
یہ آہِ سوزاں گھٹا بنی ہے
یہ درد موجِ صبا ہوا ہے
یہ آگ دل کی صدا بنی ہے
اور اب یہ ساری متاعِ ہستی
یہ پھول یہ زخم سب ترے ہیں
یہ دکھ کے نوحے یہ سکھ کے نغمے
جو کل مرے تھے وہ اب ترے ہیں
جو تیری قربت تری جدائی میں
کٹ گئے روز و شب ترے ہیں

(یہ میری نظمیں، یہ میری غزلیں

یہ کون معصوم ہیں
کہ جن کو
سیاہ آندھی
دیے سمجھ کر بجھا رہی ہے
انھیں کوئی جانتا نہیں ہے
انھیں کوئی جاننا نہ چاہے
یہ کس قبیلے کے سر بکف جانثار ہیں
جن کو کوئی پہچاننا نہ چاہے
کہ ان کی پہچان امتحان ہے
نہ کوئی بچہ، نہ کوئی بابا، نہ کوئی ماں ہے
محل سراؤں میں خوش مقدر شیوخ چپ
بادشاہ چپ ہیں
حرم کے سب پاسبان
عالم پناہ چپ ہیں

منافقوں کے گروہ کے

سربراہ چپ ہیں

تمام اہل ریا کہ جن کے لبوں پہ ہے

لا الہ چپ ہیں

(بیروت)

کون اس قتل گہہ ناز کے سمجھے اسرار

جس نے ہر دشنہ کو پھلوں میں چھپا رکھا ہے

امن کی فاختہ اڑتی ہے نشاں پر لیکن

نسل انساں کو صلیبوں پہ چڑھا رکھا ہے

اس طرف نطق کی بارانِ کرم اور ادھر

کاسئہ سر سے مناروں کو سجا رکھا ہے

(سلامتی کونسل)

مجھے یقیں ہے

کہ جب بھی تاریخ کی عدالت میں

وقت لائے گا

آج کے بے ضمیر و دیدہ دلیر قاتل کو

جس کے دامان و آستیں

خون بے گناہوں سے تربتر ہے

تو نسل آدم

وفور نفرت سے روئے قاتل پہ تھوک دے گی

مگر مجھے اس کا بھی یقیں ہے

کہ کل کی تاریخ

نسل آدم سے یہ بھی پوچھے گی

اے مہذب جہاں کی مخلوق

کل ترے روبرو یہی بے ضمیر قاتل

ترے قبیلے کے بے گناہوں کو

جب تہہ تیغ کر رہا تھا

تو تو تماشائیوں کی صورت
خموش و بے حس
درندگی کے مظاہرے میں شریک
کیوں دیکھتی رہی ہے
تری یہ سب نفرتیں کہاں تھیں
بتا کہ اس ظلم کیش قاتل کی تیغ براں میں
اور تری مصلحت کے تیروں میں
فرق کیا ہے؟
تو سوچتا ہوں
کہ ہم بھی کیا جواب دیں گے

(ویت نام)

ظاہر ہے کہ یہاں شاعری اور زندگی کی حدیں اس طرح گڈمڈ ہوگئی ہیں کہ ایک کو دوسرے سے الگ کرنا ممکن نہیں۔ لیکن کبھی کبھی شاعر کو اپنے احساسات کی قیمت اس طرح بھی ادا کرنی پڑتی ہے۔ یہ ایک ایسا تخلیقی فریضہ ہے جس کی ادائگی سے ڈرنا اور بچنا، اپنے آپ کو دھوکا دینا ہے۔ شعری اظہار اور اسلوب کے سیاق میں یہ ایک بحث طلب مسئلہ ہے۔ اس وقت میں تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا۔ بس اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ فراز کے یہاں اس قسم کے مشکل مقامات سے گزرنے کا ایک اور قرینہ ان تراجم کے طور پر سامنے آیا ہے جن میں جنوبی افریکا کے شاعروں نے انسانی بے بسی، واماندگی اور غم و غصے کی ایک نئی بوطیقا ترتیب دی ہے۔ ''سب آوازیں میری ہیں، میں حرفِ سادہ کے عنوان سے فراز نے اس اقدام کا جواز یوں پیش کیا ہے کہ:

......یہ تراجم محض تخلیقی ہتھیاروں کو صیقل رکھنے کی غرض سے ہی نہیں کیے گئے بلکہ کچھ اور محرکات بھی تھے۔ ایک وجہ تو یہ تھی کہ میں خود انھی حالات سے گزر رہا ہوں جن سے بیشتر افریقی جلاوطن شاعر دوچار ہیں۔ دوسرا سبب یہ کہ پاکستان اور جنوبی افریقہ کے تاریخی اور سیاسی کوائف مختلف ہوتے ہوئے بھی کئی طرح کی مماثلت رکھتے ہیں۔

......ساتھ ہی یہ احساس دلانا بھی مقصود ہے کہ جب خلق خدا ظلم اور استحصال کے خلاف نبرد آزما ہو اور لوگ اپنے حقوق کی بازیابی کے لیے جانیں تک قربان کر رہے ہوں تو لکھنے والوں پر کیا ذمے داری عاید ہوتی ہے اور اس

تناظر میں ان کا کیا کردار ہونا چاہیے۔

میں اپنے مختصر پیش لفظ کو افریقی ادیب کے اس جملے پر ختم کرتا ہوں ۔''صرف قیدی پرندہ ہی جانتا ہے کہ وہ کیوں نغمہ سرا ہے۔''

(احمد فراز، لندن، سب آوازیں میری ہیں)

انا کے شعور کی تمام شکلوں میں سب سے مضحکہ خیز شکل تخلیقی انا یا اپنی Creative Ego کے شعور کی ہے۔ بہ قول شخصے، گہرے انسانی سروکار ''انا کے اس غبارے'' کو پھوڑنے کا سب سے موثر وسیلہ ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ، یہ بات بھی دھیان میں رہنی چاہیے کہ کلاسیکی ادب کے مشاہیر کا اپنی قائم کردہ تخلیقی شرطوں پر جمے رہنا تو سمجھ میں آتا ہے۔ لیکن اس کم عیار عہد میں، جہاں بیشتر لکھنے والوں کی بصیرت پرت دو پرت سے زیادہ گہری نہیں ہوتی اور جن کے عام شعور کی قامت بس ماچس کی تیلیوں کے برابر کہی جا سکتی ہے، مستعار نظریوں کی مدد سے تخلیقی تجربے کی حرمت پر ان کا اصرار نا قابل فہم ہے۔ ہمارے زمانے کے شعر و ادب کو سب سے زیادہ نقصان اسی قسم کی غلط گمانیوں نے پہنچایا ہے۔ نظریاتی تعبد پر حد سے بڑھا ہوا اعتماد بھی دراصل اسی ''انا'' کے ابتذال آمیز شعور کی دین ہے۔ کلچر، کمیونی کیشن اینڈ سوشل چیلنج'' کے مصنف پی سی جوشی نے اس المیے پر بہت تاسف کا اظہار کیا تھا کہ ہمارے یہاں نئے شعور اور طرز احساس کی آمد کے مبالغہ آمیز اعلان کے باوجود تجدد کا کوئی قومی تصور ظہور پذیر نہ ہو سکا۔ اسی لیے ہمارے اکثر انقلابی ادیب تھیوریٹیکل یا نظریاتی کلیشوں کی مدد سے ادب کے سماجی رول کی بابت اونچی اونچی باتیں اور دعوے تو کرتے ہیں، مگر ان کی اپنی تخلیقات میں حرارت اور طاقت بالعموم ناپید ہوتی ہے۔ احمد فراز نے ''سب آوازیں میری ہیں'' میں جن نظموں کے ترجمے کیے ہیں اور اس عمل کے واسطے سے خود اپنی حسیت کے جس رخ کی نمائندگی کی ہے، اس کا کچھ اندازہ مندرجہ ذیل اقتباسات سے کیا جا سکتا ہے:-

میں ایک خاموش طبع اور مرنجاں مرنج انسان ہوں
اپنی غیر مرئی رفتار سے گامزن
اپنے منصوبوں میں مگن
غلامی کی حد تک خوش خلق
لیکن پھر بھی
کبھی کبھی ماتمی نوحے

میرے دل کو اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں
میری خاموش آنکھوں کے پیچھے
میرے سر میں
سائرن اور انسانی چیخوں کی آوازیں
گونجنے لگتی ہیں

(-جلاوطنی)

(Dennis Brutus: I AM THE EXILE)

....

شاعر!
لوگوں کو یقین دلاؤ
کہ خواب بھی حقیقت بن سکتے ہیں
آزادی کی بات کرو
اور دھن وان کو
اس کے معطر خلوت خانے کی دیواروں پر
فن پارے سجانے دو
آزادی کی بات کرو
اور لوگوں کی آنکھوں کو چھو کر
انھیں احساس دلاؤ
کہ ان میں بے شمار ہونے کی قوت موجود ہے
وہ قوت
جو قید خانوں کی سلاخوں کو
گھاس کی بالیوں کی طرح مروڑ دیتی ہے
جو سنگ خارا کی دیواروں کو
کانچ کی طرح ریزہ ریزہ کر دیتی ہے

شاعر
ان لوگوں کو ڈھونڈو
جو قفلوں کے دہانے کھولے دیتے ہیں
اس سے پہلے
کہ آنے والے دس برسوں کو
گزرے ہوئے دس برس کھا جائیں

(--آؤ نظمیں لکھیں)

(A.N.C. Kumalo: RED OUR CLOUR)

نہیں
ہمیں اس راستے سے نہیں لوٹنا
کہیں ایسا نہ ہو
کہ پھر
ہم اپنے ہی سایوں کے روبرو ہو جائیں
کہیں ایسا نہ ہو
کہ ہمارے کانوں کے پردے
اپنی ہی اداسی کی گونج سے پھٹ جائیں
نہیں
ہمیں ہتھیار نہیں ڈالنے
چاہے یہ سلسلہ
کیسا ہی لامتناہی کیوں نہ ہو

ہمارے اطراف میں
مہکتے ہوئے پھولوں کی
مزید افزائش ہونی چاہیے
درختوں میں لگے پھل
تازہ پتوں میں جذب ہو جائیں

وگرنہ بعد میں
سڑے ہوئے رگ وریشہ کے سوا
کیا رہ جائے گا

(......نا تمام مسافت)

(Mazisi Kunve: UNFINISHED ADVENTURE)

ہمارے عہد کا ایک بڑا المیہ یہ ہے کہ صحافت، سیاست اور صارفیت نے انسانی وسیلۂ اظہار کی آسان ترین شکل یعنی زبان کے ساتھ ایسی زیادتی کہ ہے اور اتنے تشدد کو راہ دی ہے کہ زبان کا سارا وقار اور اس کی تاثیر مٹی میں مل گئی ہے۔ ان حالات میں زبان کے تئیں، لکھنے والے کی ذمے داریاں بہت بڑھ گئی ہیں۔ لیکن وہ کر بھی کیا سکتا ہے، سوائے اس کے کہ اپنے گرد زندگی سے لاتعلقی کا کوئی مصنوعی دائرہ بننے نہ دے اور حتی الامکان انسانی عنصر کے بحالی کا جتن کرتا رہے۔ فیض صاحب کی نظم انتساب اسی سمت میں اٹھائے جانے والے ایک یادگار قدم کی نشاندہی کرتی ہے۔ فراز نے ''سب آوازیں میری ہیں'' کے منظوم ترجموں اور اپنی منتخب نظموں اور غزلوں کے اشعار کی مدد سے یہی فریضہ ادا کرنا چاہا ہے اور تخلیقی زبان کے معاملے میں ایک ذمے دار لکھنے والے کا رول نبھایا ہے۔ اپنی اس جدوجہد میں وہ کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں اور کہاں نے ناکام ٹھہرے ہیں، اس کا فیصلہ زمانہ کرے گا، لیکن یہ واقعہ اپنی جگہ مسلم ہے کہ فراز کی تخلیقی جستجو کا سلسلہ جاری ہے اور ان کے احساسات میں کسی طرح کے تساہل اور تھکن کے آثار نظر نہیں آتے۔ فیض صاحب کا خیال تھا کہ اپنے کلاسیکی رکھ رکھاؤ اور لہجے کی غنائیت کے ساتھ ساتھ، فراز نے اپنے جذباتی تموج اور احساسات کی شدت کے ذریعے اپنی ایک علاحدہ شناخت بنالی ہے، اور اس لحاظ سے اپنے معاصرین میں وہ سب سے زیادہ جانے اور پہچانے جاتے ہیں۔ سوان کا یہ دعوا غلط تو نہیں کہ:

قلم سرخرو ہے
کہ جو اس نے لکھا
وہی آج میں ہوں
وہی آج تو ہے۔
قلم سرخرو ہے۔

(۔قلم سرخرو ہے)

☆☆☆

احمد فراز

یہ میری نظمیں یہ میری غزلیں

یہ میری غزلیں یہ میری نظمیں
تمام تیری حکایتیں ہیں
یہ تذکرے تیرے لطف کے ہیں
یہ شعر تیری شکایتیں ہیں
میں سب تری نذر کر رہا ہوں
یہ ان زمانوں کی ساعتیں ہیں

جو زندگی کے نئے سفر میں
تجھے کسی وقت یاد آئیں
تو ایک اک حرف جی اٹھے گا
پہن کے انفاس کی قبائیں
اداس تنہائیوں کے لمحوں میں
ناچ اٹھیں گی یہ اپسرائیں

مجھے ترے درد کے علاوہ بھی
اور دکھ تھے یہ مانتا ہوں
ہزار غم تھے جو زندگی کے
تلاش میں تھے یہ جانتا ہوں
مجھے خبر تھی کہ ترے آنچل میں
درد کی ریت چھانتا ہوں

مگر ہر اک بار تجھ کو چھوڑ کر
یہ ریت رنگِ حنا بنی ہے
یہ زخم گلزار بن گئے ہیں
یہ آہِ سوزاں گھٹا بنی ہے
یہ درد تسکین جاں ہوئی ہے
یہ آگ دل کی صدا بنی ہے

اور اب یہ ساری متاعِ ہستی
یہ زخم یہ پھول سب ترے ہیں
یہ دکھ کے نوحے یہ سکھ کے نغمے
جو کل مرے تھے وہ اب ترے ہیں
جو تیری قربت تیری جدائی میں
کٹ گئے روز شب ترے ہیں

وہ تیرا شاعر ترا مغنی!
وہ جس کی باتیں عجیب تھیں
وہ جس کے انداز خسروانہ تھے
اور ادائیں غریب سی تھیں
وہ جس کے جینے کی خواہشیں بھی
الم زدوں کے نصیب سی تھیں

نہ پوچھو اس کا کہ وہ دوانہ
بہت دنوں کا اجڑ چکا ہے
وہ کوہکن تو نہیں تھا لیکن
کڑی چٹانوں سے لڑ چکا ہے
وہ تھک چکا تھا اور اس کا تیشہ
اسی کے سینے میں گڑ چکا ہے

نذرِ غالب

مسافت دل کی تھی سو جادۂ مشکل پسند آیا
ہمیں بھی مثل غالب شیوۂ بیدل پسند آیا

سمرقند و بخارا کیا ہیں خالِ یار کے آگے
سو ہم کو مصرعۂ حافظ بہ جان و دل پسند آیا

طبیعت کی کشاکش نے ہمیں آخر ڈبونا تھا
کبھی دریا لگا اچھا کبھی ساحل پسند آیا

نہ تھا یوں بھی کہ جس کو دیکھتے ہم اس کے ہو جاتے
کہ تو بھی تو ہمیں جاناں بصد مشکل پسند آیا

متاعِ سوختہ دل سے لگائے پھرتا رہتا ہوں
کہ شہرِ آرزو جیسا بھی تھا حاصل، پسند آیا

عجب رنگ آ گیا ہے دل کے خوں ہونے سے آنکھوں میں
سو ہم کو اب کے گریہ میں لہو شامل پسند آیا

فراز اپنی ادا کا ایک دیوانہ ہے کیا کیجے
اسے سارے مسیحاؤں میں بس قاتل پسند آیا

○

نہ شب و روز ہی بدلے ہیں نہ حال اچھا ہے
کس برہمن نے کہا تھا کہ یہ سال اچھا ہے

ہم کہ دونوں کے گرفتار رہے، جانتے ہیں
دامِ دنیا سے کہیں زلف کا جال اچھا ہے

میں نے پوچھا تھا کہ جاناں یہ تغافل کب تک
مسکراتے ہوئے بولے کہ سوال اچھا ہے

دل نہ مانے بھی تو ایسا ہے کہ گاہے گاہے
یارِ بے فیض سے ہلکا سا ملال اچھا ہے

لذتیں قرب و جدائی کی ہیں اپنی اپنی
مستقل ہجر ہی اچھا نہ وصال اچھا ہے

رہروانِ رہِ الفت کا مقدر معلوم
ان کا آغاز ہی اچھا نہ مآل اچھا ہے

دوستی اپنی جگہ، پر یہ حقیقت ہے فراز
تیری غزلوں سے کہیں تیرا غزال اچھا ہے

○

○

سامنے اس کے کبھی ان کی ستائش نہیں کی
دل نے چاہا بھی اگر ہونٹوں نے جنبش نہیں کی

اہلِ محفل پہ کب احوال کھلا ہے اپنا
میں بھی خاموش رہا اس نے بھی پرسش نہیں کی

جس قدر اس سے تعلق تھا چلا جاتا ہے
اس کا کیا رنج کہ جس کی کبھی خواہش نہیں کی

یہ بھی کیا کم ہے کہ دونوں کا بھرم قائم ہے
اس نے بخشش نہیں کی ہم نے گذارش نہیں کی

اک تو ہم کو ادب آداب نے پیاسا رکھا
اس پہ محفل میں صراحی نے بھی گردش نہیں کی

ہم کہ دکھ اوڑھ کے خلوت میں پڑے رہتے ہیں
ہم نے بازار میں زخموں کی نمائش نہیں کی

اے مرے ابرِ کرم دیکھ یہ ویرانۂ جاں
کیا کسی وشت پہ تو نے کبھی بارش نہیں کی

کٹ مرے اپنے قبیلے کی حفاظت کے لیے
مقتلِ شہر میں ٹھہرے رہے جنبش نہیں کی

وہ ہمیں بھول گیا ہو تو عجب کیا ہے فراز
ہم نے بھی میل ملاقات کی کوشش نہیں کی

O

یہ تو اس کا ہی کرشمہ ہے فسوں ہے یوں ہے
یوں تو کہنے کو سبھی کہتے ہیں یوں ہے یوں ہے

جیسے کوئی ہو درِ دل پہ ستادہ کب سے
ایک سایہ نہ دروں ہے نہ بروں ہے یوں ہے

تم محبت میں کہاں سود وزیاں لے آئے
عشق کا نام خرد ہے نہ جنوں ہے یوں ہے

اب تم آئے ہو مری جان تماشا کرنے
اب تو دریا میں تلاطم نہ سکوں ہے یوں ہے

تو نے دیکھی ہی نہیں دشتِ وفا کی تصویر
نوک ہر خار پہ اک قطرہ خوں ہے یوں ہے

ناصحا تجھ کو خبر کیا کہ محبت کیا ہے
روز آجاتا ہے سمجھاتا ہے یوں ہے یوں ہے

شاعری تازہ زبانوں کی ہے معمار فراز
یہ بھی اک سلسلہ کن فیکون ہے یوں ہے

○

مثالِ دست زلیخا تپاک چاہتا ہے
یہ دل بھی دامن یوسف ہے چاک چاہتا ہے

فسانہ گو بھی کرے کیا کہ ہر کوئی سرِ بزم
مآل قصۂ دل دردناک چاہتا ہے

دعائیں دو مرے قاتل کو تم کہ شہر کا شہر
اسی کے ہاتھ سے ہونا ہلاک چاہتا ہے

ادھر ادھر سے کئی آ رہی ہیں آوازیں
اور اس کا دھیان بہت انہماک چاہتا ہے

ذرا سی گرد ہوس دل پہ لازمی ہے فراز
وہ عشق کیا ہے جو دامن کو پاک چاہتا ہے

○○○

ڈاکٹر سید حامد
چانسلر جامعہ ہمدرد
تغلق آباد۔ نئی دہلی ۔۶۲

تحسین ناشناس

قاضی عبدالستار کی تصانیف کثیر بھی ہیں اور متنوع بھی۔ یہ امر میرے لیے باعث انفعال ہے کہ میں ان کے مطالعے سے کماحقہٗ عہدہ برآ نہ ہوسکا۔ پروفیسر محمد غیاث الدین نے مجھ پر احسان کیا کہ ان کے تاریخی ناولوں سے مجھے روشناس کرادیا۔

تاریخی ناولوں کے تارو پود پر نظر ڈالیے تو اس میں تخیل اور حقیقت کا دلکش امتزاج آپ کی توجہ کو جذب کرلے گا۔ تاریخ کے نکتہ چیں تو یہ کہنے میں بھی تامل نہیں کرتے کہ تاریخ کی بعض کتابیں تاریخی ناول سے کم نہیں کہ ان میں زمانے اور ذہن نے بہت سے اضافے کردیے ہیں۔ یہ فرق تاہم ملحوظ خاطر رہے کہ اس کے برعکس تاریخی ناول میں حقیقت یا نفسِ واقعہ پر جو اضافے کیے گئے ہیں وہ زرہ تخلیق اور بر سبیل تجمیل وجود میں آئے ہیں۔ ناول نگار نے تخیل کے ذریعہ تاریخ کو حسن و جمال اور پر پرواز عطا کیا ہے۔ تاریخی ناول ایک وحدت ہے جسے ناول نگار کے تخیل نے پیدا کیا ہے۔ اور پروان چڑھایا ہے وہ تخیل کا تانا بانا واقعات کے گرد نہیں بنتا بلکہ ہیرو یا مرکزی کردار کی شخصیت سے مسحور ہوکر اس کی حیات و کائنات کی نقش گری کرتا ہے۔ تاریخ اس کام میں جس حد تک مدد کرسکتی ہے اسے وہ اپنے مقصد کی خاطر بہ طیب خاطر قبول کرتا ہے لیکن وہ اسے تخیل کی پرواز اور تخلیق کے عمل میں حائل نہیں ہونے دیتا۔ ہیرو کے کردار اور اس کی شخصیت اس کے رجحانات اور امکانات کو پوری طرح جذب اور تسخیر کرنے کے بعد ہی وہ اس کی داستان لکھنے بیٹھتا ہے۔ تاریخ اسے مرکزی کردار کی بابت جو ٹھوس واقعات بتاتی ہے وہ سب کچھ عمل تخلیق کی تندی صہبا سے پگھل جاتا ہے۔ اس مواد کو جو تاریخ کے اوراق اور ناول نگار کے تند جولاں تخیل کی آمیزش سے دستیاب ہوتا ہے فنکار نئے نئے حسین جمیل پیکروں میں ڈھال دیتا ہے۔ جب کبھی ایسا نہیں ہوتا ناول واقعات کی جامد کھتونی بن جاتا ہے جو طبع زادی کا پُر فریب لہریں بن کر سامنے آتی ہے

لیکن پڑھنے والے کو زیادہ دیر تک دھوکا نہیں دے سکتی۔ نہ واقعات پگھل پاتے ہیں نہ تخیل ان سے مل کر آمیزہ بنا پاتا ہے۔ ان کی کھردراہٹ نہیں جاتی، نہ تعبیر کی آنچ سے وہ نقل ہیئت کرکے باہم دگر جڑ پاتے ہیں۔

تاریخی ناول لکھنے والوں کو ہفت خواں طے کرنا پڑتا ہے۔ تخیل اور تاریخ کو اس طرح برقرار رکھا جاتا ہے کہ تاریخ ذہن سے محو نہ ہونے پائے نہ تخیل بے دست و پارہ جائے یہی وہ مقام ہے جہاں فنکار کا امتحان ہوتا ہے اسے ضرورت تخلیق کے تحت تاریخ میں ترمیم کرنے کی اجازت ہوتی ہے لیکن ترمیم صرف اس قدر کہ تاریخ کا ہیولہ باقی رہے۔ اتنا مبہم اور متغیر نہ ہو جائے کہ تاریخی داستان پر واہمہ اور تخیل کی تگ و تاز کا گمان ہونے لگے اور ناول نگار کو ہیرو کے ساتھ جو شیفتگی ہے وہ اسے تاریخ کا خون کرنے یا اس کا قوام بگاڑ دینے پر مجبور کردے۔ زرخیز متخیلہ کی عنان ہر آئینہ اور ہر لحہ ناول نگار کے ہاتھوں میں رہنی چاہیے۔ تاکہ سمند تخلیق ضرورت ناول نگاری کے تحت وقتاً فوقتاً بھٹک جانے کے بعد واپس آتا رہے یہ بات تو بہر حال مسلمات میں ہے کہ تاریخی کرداروں کی تصویر کشی میں تاریخ کا مؤقلم ان کی شخصیت کے خدوخال کو زیادہ دلکش بنا دیتا ہے۔ کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست۔

دامن دل کو کھینچنے کا یہ عمل بتا دیتا ہے کہ واقعات شبیہ کی تشکیل میں رکاوٹ بننے کے بجائے معاون ہونے لگے ہیں۔

تاریخی ناول نگار ماضی میں زندگی گزارتا ہے۔ حال میں جیتا ہے۔ اور مستقبل کا آسرا لگاتا ہے۔ ماضی حال اور مستقبل کے امتزاج کا یہ طلسم ہی قارئین کو مسحور کرتا ہے وہ ایک ہی وقت میں تین زمانوں کی سیر کرتے ہیں۔

ماضی کی نوساختہ صراحت حال کی اشارت اور مستقبل کی غیر ملفوظ ارادت کے ساتھ مرکزی کردار کی شخصیت کو جس کے گرد ماضی طواف کرتا ہے افسونِ تسخیر عطا کرنے کے لیے اس کی شخصیت کے رنگوں کو گہرا کیا جاتا ہے۔ کہیں مبالغے سے کہیں ان اختراعات فائقہ سے جو فنکار کے قلم سے دم تحریر ٹپکتی ہیں یہ احتیاط برتی جاتی ہے کہ قاری کے اعتبار میں شگاف نہ پڑنے پائے۔ نہ تجربہ مجروح ہو نہ قیاس گھائل۔ ایک مشہور ناقد نے کہا تھا کہ ڈراما کے سحر طراز اور اثر انداز ہونے کا راز ناظر کی طرف سے بے یقینی کو تھوڑی دیر کے لیے معطل کر دینے میں ہے ناول پڑھنے والے خصوصاً تاریخی ناول پڑھنے کو اثر پذیری کے لیے اس قسم کی کاوش کی ضرورت نہیں پڑتی۔ عمل

احتساب کی تھوڑی سی غنودگی تاریخ اور تخیل کے امتیاز کو مٹانے کے لیے کافی ہوتی ہے۔ مبالغہ کی جمال آرائی اور حسن افزائی، روزمرہ کی گفتگو اور شاعری میں تو دیکھنے میں آتی ہی رہتی ہے۔ یہ تاریخی ناول نگار کے ترکش کا ایک تیر بھی ہے جسے سوفار زبان پر قدرت سے ملتی ہے۔ یہ زبان پر قدرت ہی ہے جو چشم زدن میں قاری کو گزرے ہوئے زمانہ میں پہنچا دیتی ہے۔ سماں باندھنے، ماحول بنانے ہیئت بدلتے نئی اقلیم میں لے جانے میں زبان پر قدرت اور الفاظ کی نازک حسیت کا ادراک ایک ترکیبی عنصر کی طرح بروئے کار آتی ہے۔ ہمیں تاہم یاد رکھنا چاہیے کہ تاریخی ناول نگار کے تخلیقی اختیارات مبالغہ یا زبان کے زور یا بیان کی نازک حسیت کے ہنرمندانہ استعمال تک محدود نہیں۔ وہ کرداروں کے افعال کی تعبیر اور تاویل بھی کرتا ہے جو اکثر مورخ کی تعبیر سے مختلف بھی ہوتی ہے اور جو کبھی کبھی ان کی نیت کو نقلی ہیئت سے دو چار کر دیتی ہے وہ کرداروں کی نیتوں اور ارادوں اور عزائم اور منصوبوں اور حربوں کو ایک نیا رخ بھی دے دیتا ہے۔ شاعر کا جہاں تک تعلق ہے اس کا پیشہ اسے الفاظ اور محاوروں اور الفاظ کے جمگھٹوں میں ضرورت شعری کے تحت تبدیلی کرنے کا اختیار دیتا ہے۔ تاریخی ناول نگار کے اختیارات اس سے زیادہ وسیع اور عمیق ہوتے ہیں یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ تاریخی ناول کے بعد کردار جوش نمو میں اپنے خالق کے قبضۂ اختیار سے باہر آجاتے ہیں اور زور تخلیق انھیں ناول نگار کے ابتدائی تصورات سے کہیں آگے لے جاتا ہے۔

رو میں ہے رخش عمر کہاں دیکھیے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

تاریخی ناول نگار کرداروں کی معنی خیز اور پرپیچ تصویر کشی سے زیادہ اہم ایک کام اور کرتا ہے وہ ایک گزرے ہوئے عہد کے ماحول کی تعمیر کو اپنی کوششوں کا حاصل بناتا ہے ماحول میں گزرے ہوئے عہد سے اگر مغائرت درآئے تو کردار سازی کا سارا اثر زائل ہو جائے کرداروں کو ایسا ماحول فراہم کرنا جس میں وہ آزادانہ سانس لے سکتے ہوں جس میں وہ پنپ سکیں اور اجنبی اور انمل بے جوڑ نہ لگیں۔ ناول نگاری کے اہم اور پرپیچ مراحل میں شامل ہے۔ زمانہ اور کردار علائق اور اطوار روافکار اور صلح و پیکار جو ماضی میں دفن ہو چکے تھے ان کو حیات نو دینا عمر قریزی یہاں تخیل کے پر جلتے ہیں۔ حافظہ کو انفرادی اور اجتماعی حافظے کو مکمل تسخیر اور کاروبار تخلیق کے لیے رام کیا جاتا ہے۔ شیکسپیئر نے اس ہنر کو بام عروج تک پہنچا دیا کہ پیش رووں سے خراج کس طرح سے وصول کیا

جائے ان کی زمین کو آسمان کیسے بنایا جائے ماضی کو حال کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں کیسے باندھا جائے ماضی سے بیج مستعار لے کر لہلہاتی ہوئی کھیتی کا سروسامان کیسے ہو۔

قاضی عبدالستار نے تاریخی ناول لکھے۔ ذوق وشوق کے ساتھ لکھے۔ انھوں نے اپنے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی۔ انھوں نے کردار وہی چنے ہیں جن پر وہ فریفتہ تھے جن کے کارنامے ان کے ادوار آشام حافظہ میں پیوست ہو چکے تھے۔ انھوں نے خالد بن ولید، صلاح الدین ایوبی اور دارا شکوہ کے گرد اپنے گرویدہ تخیلات کا تانا بانا بنا۔ اس کام میں وہ بروئے کار لائے اپنے گہرے مشاہدہ، وسیع مطالعہ، متنوع اسالیب بیان اور چیدہ و برگزیدہ ذخیرۂ الفاظ کو جو ہاتھ باندھے ان کے اشاروں کا منتظر رہتا ہے۔ انھوں نے خود بھی کہا ہے اور اس میں کسے کلام ہوگا کہ ان کے اسالیب موضوعات سے مطابقت رکھتے ہیں ان کا اتباع کرتے ہیں ان کے انداز بیان کی یہ گونا گونی عبارتوں میں حسن ادا کی یہ فراوانی قاری کو منہمک اور مسحور کر دیتی ہے۔

ماضی قریب کا جہاں تک تعلق ہے قاضی عبدالستار کے حصے میں بالخصوص اس تہذیب کی عکاسی آئی ہے جو انحطاط آمادہ تھی جو رخت سفر باندھ چکی تھی انھوں نے اس کی کربناک ترجمانی کا حق ادا کر دیا ان کے خامۂ اعجاز رقم نے موضوعات کے تنوع کا پاس ہمیشہ حیرت انگیز اور ستایش خیز ڈھنگ سے کیا صلاح الدین کی رحم دلانہ اور انسان دوست کشور کشائی اور خالد بن ولید کی حیرت خیز عسکری تسخیرات کو ان کے اسالیب آفریں قلم نے مرقعات سے مملو نگار خانے کی شکل دے دی۔ یوں تو اپنے ناولوں اور افسانوں میں قاضی صاحب نے جو کچھ قلم بند کیا ہے اس کے لیے گردش ایام سے حیاتِ دوام کی ضمانت لے لی ہے لیکن وہ عبارتیں جن میں اودھ کی تہذیب کے زوال کی تصویر کشی کی گئی ہے وہ اس خلاقانہ صداقت اور ٹمٹماتے ہوئے پرتو فگن چراغ کی محبت آمیز اور حسرت خیز نقش بندی کے لیے خصوصاً جاذب توجہ ثابت ہوں گی۔

قاضی عبدالستار کی فنکاری اور اخلاق کو ''نذر قاضی عبدالستار'' میں بار بار مصرانہ انداز سے خراج ادا کیا گیا ہے انھیں اپنے فن کی عظمت کا افتخار آفریں احساس ہے۔ ان کی قلندرانہ بے نیازی کا ذکر ان گرانقدر مضامین جو اس کتاب میں شامل کیے گئے ہیں آتا رہا ہے۔ ان تنک مزاجی کو مضمون نگاروں نے محبت بھری تنقید کا ہدف بنایا ہے۔ تخلیق کے لیے دراصل جس استغراق کی ضرورت پڑتی ہے وہ شاہکاروں کی تخلیق کرنے والوں کو بہت سی باتوں اور رسموں سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ یہ بے نیازی خواہ عام رسوم التفات سے ہو خواہ احباب واقارب سے، خواہ انکساری

دفروتنی کے تئیں، خواہ چاہنے والوں کی دلشکنی کے ضمن میں۔ یہ بے نیازی فکر مستقبل اور فنکار کی طمانیت کو اپنے حصار میں لے لیتی ہے۔ دنیا ان سارے انحرافات کو یہ سوچ کر گوارا کر لیتی کہ اس کے عوض اسے بہت کچھ مل رہا ہے۔

میں قاضی صاحب سے اپنی نیاز مندی کی حکایت کو بڑھانا نہیں چاہتا۔ نوابغ تخلیق کی تعریف کرتے ہوئے میں ڈرتا ہوں کہ اسے ناشناسی پر محمول کیا جائے گا جو تنقیص سے بدتر ہوتی ہے اس کے برعکس صورت حالات پروفیسر غیاث الدین صاحب کی ہے، انھوں نے اپنے استاد سے حیرت آفریں وابستگی وفاداری اور شیفتگی کا اظہار کیا ہے۔ ہمارے فاضل ناول نگار کے اکتسابات کی طویل فہرست میں ایک اندراج یہ بھی ہونا چاہیے کہ انھوں نے ایک ایسا شاگرد پیدا کیا۔ یونیورسٹیوں میں اساتذہ اس بات پر فخر کرتے نظر آتے ہیں کہ میں نے اتنے پی ایچ ڈی پیدا کیے کوئی یہ کہے تو ہم جانیں کہ اس نے پروفیسر غیاث الدین جیسا وفادار سخاوت شعار قدر شناس اور اخلاص پیکر شاگرد پیدا کیا۔ اٹھارویں صدی کے انگریزی ادب میں اس نوع کی والہانہ فریفتگی کی ایک مثال ضرور ملتی ہے۔ قارئین کے کانوں میں ڈاکٹر جانسن کے شاگرد بازویل کا نام گونج رہا ہوگا۔

میں ذاتی طور پر قاضی صاحب کا احسان مند ہوں کہ انھوں نے میرے ساتھ ہمیشہ مراعات برتی ہے ان کی وضع قطع، آداب واطوار اور شایستہ مزاجی اور روایات کی پاسداری کو دیکھ کر وہ تہذیب یاد آجاتی ہے جسے ہمارے دور کی تیز رفتاری، طمع طرازی اور ذخیرہ اندوزی نے مٹا دیا ہے۔

''نذر قاضی عبدالستار'' پڑھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے مضامین نو اکی طرح 1954ء سے 2004 تک گرانقدر ناولوں کا انبار لگا دیا ہے۔ شکست کی آواز، شب گزیدہ، مجو بھیا، صلاح الدین ایوبی، بادل، غبار شب۔ داراشکوہ، غالب۔ حضرت جان، خالد ابن ولید۔ تاجم سلطان۔

1995ء میں ان کے افسانوں کا دوسرا مجموعہ آئینہ ایام کے نام سے منظر عام پر آیا۔ قاضی صاحب کے اکتسابات کا اعتراف جا بجا ہوا ہے۔ ان کی حیات اور آثار پر ڈاکومینٹری فلمیں بنائی گئیں، ان پر تحقیق ہوئی۔ کتابیں لکھی گئیں ان کی سات کتابوں کا ہندی اور دوسری زبانوں میں ترجمہ کیا گیا۔ ان کی تخلیقات اور اکتسابات اور اعترافات کا یہ سلسلہ انشاءاللہ جاری رہے گا۔ کیونکہ

ان کی جواں ہمتی اور ان کے قلم کی زرخیزی میں ہنوز کوئی کمی نہیں آئی۔ قلندرانہ مزاج رکھنے والے جو قاضی صاحب سے منسوب کیا گیا ہے اعترافات سے بے نیاز ہوتے ہیں پھر بھی اعترافات کی حوصلہ افزا تاثیر سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ آج کی محفل ان اعترافات میں ایک اضافہ ہے اپنے گھر میں قدر ہو تو دل کچھ اور زیادہ بڑھتا ہے۔

ڈاکٹر نیتا سنگھ نے اپنے مضمون میں جس کا ترجمہ زیر اجرا کتاب میں شامل ہے قاضی عبدالستار کے بارے میں لکھا ہے۔ ''اودھ کے ایک تعلقدار خاندان کا کڑیل آدمی جو بے حد پڑھا لکھا ہے، بہت بڑا ادیب ہے اور بے حد تنک مزاج (از بسکہ بے دماغی نے پایا ہے اشتہار) ان کا ادیب ہر وقت ان کے ساتھ ہوتا ہے وہ جب کچھ بیان کر رہے ہوتے ہیں وہ بھی کہانی کا روپ ہوتا ہے اور ان کی گفتگو جیسے کسی ناول کے مکالمے ہوتے ہیں۔ مسمار سلطنت کے ملبے پر کھڑے وہ اپنے پورے عہد کی تاریخ ہیں۔ اپنے بے شمار تضادوں کے درمیان ایک پیچیدہ شخصیت کے اندر ایک معصوم کومل چہرہ ہے قاضی عبدالستار کا تضادات کی داستان کو بڑھایا جائے تو پے در پے دو ترقی پسند تحریکوں سے اودھ کے ایک جاگیردار کی وابستگی کا ذکر کرنا پڑے گا؟

ذہن مولانا حسرت موہانی کی طرف بھی جاتا ہے۔ انھوں نے بھی اپنی ذاتِ گرامی میں تضادات کو سمو رکھا تھا اپنے دین کے اتباع کے ساتھ وہ کمیونزم کے دلدادہ بھی تھے۔ ان کے بعد مولانا اسحاق سنبھلی صاحب آئے جنھیں ادب سے شاید سروکار تو نہ تھا لیکن اپنی ذات اور اپنے ذہن میں انھوں نے بھی بہ یک وقت اسلام اور کمیونزم کے لیے جگہ بنالی تھی اس قسم کی تہ دار اور جامع تضادات ہستیاں ایک ڈھے ہوئی سماج میں تازہ ہوا کے جھونکے کی طرح آتی ہیں۔ مجھ جیسا اکہری شخصیت کا انسان ان پیچیدہ تو ام اکابرین کی طرف نیم ستایش، نیم رشک کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

قاضی عبدالستار صاحب تو اور آگے بڑھ گئے۔ دو دُلہنوں یعنی اردو اور ہندی کو عقدِ نکاح میں لے آئے۔ ہندی والوں نے ان کی تصانیف کی پذیرائی کی حالانکہ ان کی مرصع معنی خیز اور پر بندش نثر فارسی سے واقفیت کا مطالبہ کرتی ہے۔ کے جی سنگھ نے اپنی تعارفی سطور میں یہ پتے کی بات کہی ہے کہ ''قاضی عبدالستار کے ناولوں میں خاتمۂ زمینداری کے بعد اودھ کا زمیندار اجڑا ہے اس پر ترس آتا ہے وہ اپنی پھٹے حال زندگی کو چھپانے میں اور قابل رحم ہو جاتا ہے۔ ان انسانوں کی نفسیاتی اور سماجی شکست و ریخت کی تصویر کشی کی ہے۔'' پروفیسر کنور پال سنگھ کے اقتباسات پیش کرنے کے بعد میں ان کے پر اصرار التفات کا شکریہ ادا کروں گا کہ انھوں نے مجھے اضمحلال کے

اس دور میں اس تقریب میں شرکت کے لیے کھینچ بلایا، جس میں اگر شریک نہ ہو پاتا تو خلش کا شکار ہو جاتا ان کی ناسازی مزاج سے البتہ دکھ ہوا۔ گردش ایام کے مظالم کا گلہ کہاں تک کیا جائے۔ میں عالی جناب نسیم احمد صاحب وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا رہین منت بھی ہوں ان کی مہمانداری اور غریب نوازی کے لیے۔ تشکر سے بہتر کوئی سودا نہیں۔

میں اپنے معروضات کے خاتمے پر قاضی صاحب کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کروں گا کہ انھوں نے 'نذر قاضی عبدالستار' مجھے عنایت کی اور اس کو مزید وزن اپنے تقدیمی کلمات سے دیا۔

سماج وادی لیکھک سنگھ کے ہم سب ممنون ہیں کہ اس نے اس تقریب کا اہتمام کیا۔ پروفیسر سکینہ نے جو اتر پردیش سنگھ کے سکریٹری ہیں سنگھ کے مقاصد کی شرح کی جو ایک مسموم ماحول کا مقابلہ کر رہا ہے اور جو اپنی کوششوں سے ہمارے مشترک ورثے کی نقاب کشائی مجاہدانہ انداز سے کر رہا ہے۔ اس ضمن میں صغیر افراہیم صاحب کی کوششوں کو بھی داد ملنی چاہیے۔ اس احاطہ میں اس بات کا احساس عام ہے کہ وائس چانسلر جناب نسیم احمد صاحب علمی اور ادبی مجلسوں کی ہمت افزائی کرتے ہیں اور ان ساری تحریکات کو بڑھاوا دیتے ہیں جو روشنی اور اتحاد اور خیر اندیشی کی خبر لاتی ہیں اپنی اس گفتگو کا خاتمہ میں ڈاکٹر نمیتا سنگھ کے اس قول فیصل کو دوہرا کر کروں گا کہ ابدی حیات صرف ان اہم قلم کو ملتی ہے جن کا مقصد اعلا انسانی قدروں کی تائید اشاعت اور ترویج ہوتا ہے۔

رفعت سروش
نوئیڈا۔یو۔پی

غزل

ادھر انفاس نے چھیڑا رباب شام تنہائی
دل افسردہ نے کھولی کتاب شام تنہائی

ذرا دیکھے کوئی رنگ حجاب شام تنہائی
ستارے جب اٹھاتے ہیں نقاب شام تنہائی

تصور میں ہم آغوشی کی کیفیت کا عالم ہے
یہ آخر کس نے چھلکائی شراب شام تنہائی

اکیلا پن نہ جانے کب کا مجھ کو ڈس چکا ہوتا
چھلکتا جام ہے لیکن جواب شام تنہائی

پرندے چہچہاتے ہیں سر شاخ چمن مل کر
ہوا مجھ پر ہی کیوں نازل عتاب شام تنہائی

بجھے سورج، تو شب کی تیرگی میں خود کو گم کر دوں
سہوں اے زندگی کب تک عذاب شام تنہائی

ہر اک لمحہ، ہر اک ساعت ہے جیسے سوختہ ساماں
سروش آخر لکھوں کیسے حساب شام تنہائی

سید امتیاز الدین
حیدر آباد

ہدیۂ تہنیت

(مجتبیٰ حسین صاحب کو پدم شری کا اعزاز ملنے پر)

زمانہ دیر سے پہنچانتا ہے جوہر کو
کہ جوہری بھی بہت آنکتا ہے گوہر کو
یہ التفات یہ اعزاز دیر سے ہی سہی
اس اعتراف کا آغاز دیر سے ہی سہی

ترے مزاج کا جادو تیرے قلم کا کمال
تری زباں کی لطافت ترے بیاں کا جمال
وہ سادگی کہ ہو قربان جس پہ پُرکاری
وہ کاٹ نثر کی تلوار جیسے دو دھاری
ہر اک سے لطف و محبت ہر اک کی دلداری
مذاق ایسا کہ جس میں نہیں دل آزاری
یہی سبب ہے کہ تیری خوشی سے سب خوش ہیں
نوید جاں ہے یہ اعزاز اسی سے سب خوش ہیں
جو سچ کہوں تو یہ انعام ہے صحافت کا
جو سچ کہوں تو یہ اکرام ہے "سیاست" کا

گر آج تجھ کو یہ اعزاز عطا ہوا ہے تو کیا
اور آج شہر میں چرچا اگر ہوا ہے تو کیا
ادب شناس تو واقف ہیں تیری خدمت سے
نگاہِ اہل نظر معترف ہے مدت سے

یہ انجمن تری موجودگی سے روشن ہے
ادب سے ہم ترے دیوار و در کو دیکھتے ہیں
ترے جواہر طرف کلہ کو کیا دیکھیں
ہم اوجِ طالعِ لعل و گہر کو دیکھتے ہیں

شہباز ندیم ضیائی
۱۸۲۰۔ کٹرہ شیخ چاند
لال کنواں، دہلی ۶

غزل

قربتوں کو نہ سمجھ عشق کا حاصل مرے دل
ہے بہت دور ابھی عشق کی منزل مرے دل

کیوں ہے خاموش بتا کچھ بتا دل مرے دل
آرزوؤں کا تری کون ہے قاتل مرے دل

تجھ پہ برسے ہیں سدا تیر نگاہ جاناں
زخم خوردہ تجھے ہونا ہی تھا تل تل مرے دل

پیش کس کو کرو آئینہ بنا کر آخر!
تیرا کوئی بھی نہیں ہے متبادل مرے دل

تجھ کو چلنا ہے دہکتے ہوئے انگاروں پر
اس قدر سہل نہیں عشق کی منزل مرے دل

دھڑکنیں بھول گئیں اپنا نظامِ ترتیب
تیرے خیمے میں ہوا کون یہ داخل مرے دل

کس سے روٹھے گا بھلا کون منائے گا تجھے
جب کوئی دل ہی نہیں تیرے مقابل مرے دل

تو دھڑکتا ہے تو شدت سے دھڑکتا کیوں ہے
تھام کر دل کہا شہباز نے اے دل مرے دل

امیر چند بہار
سیکٹر D-7
فرید آباد۔ ہریانہ

رباعیات

اردو کئی بھاشاؤں کا اک سنگم ہے
حالات سے لڑنے کا اس میں دم ہے
دنیا میں کہاں نہیں ہیں اس کے عاشق
گرویدہ اردو کا اک عالم ہے!

بھاشاؤں میں عزیز تر اردو ہے
اردو میں بسی عجیب سی خوشبو ہے
پُرلطف ہیں اے بہار اردو کے بول
کیا جانے اس زباں میں کیا جادو ہے!

اک میں ہی نہیں خادم اردو تنہا
مدّاح ہے اردو کا زمانہ سارا
اردو کا چل گیا ہے سب پر جادو
انگلینڈ ہو، جرمنی ہو، یا امریکا!

رئیس صدیقی
۳۰۲/۱۱، شاہجہان آباد اپارٹمنٹ
اسٹریٹ نمبر ۱۱۔ دوارکا۔ دہلی ۷۵

غزل

جو آدمی کو پرکھنے میں بھول کرتا ہے
وہ زندگی کے تقدّس کو دھول کرتا ہے

ہمارے دل میں عداوت کا کوئی کام نہیں
محبتیں یہ کبھی کی قبول کرتا ہے

اسے ہماری چبھن کا یقین ہے شاید
ہماری نذر ہمیشہ ہی پھول کرتا ہے

تیرے وجود پہ یہ چیز ہی نہیں سجتی
اداس ہو کے ہمیں بھی ملول کرتا ہے

زباں ہی تو بناتی ہے پھول کانٹوں کو
ہمارا لہجہ ہی لفظوں کو شول کرتا ہے

گزر گیا جو کبھی، لوٹ کر نہیں آیا
گئے دنوں کا تجسس فضول کرتا ہے

رئیس دل کے اشاروں پہ مت چلا کرنا
یہ شاہزادہ ضدیں بے اصول کرتا ہے

آشا پربھات
کوٹ بازار۔ سیتامڑھی، بہار

وقت سے قبل

میری گلی سے
کھلونے والے مایوس ہو
الٹے پاؤں واپس ہو رہے ہیں
آجکل
ایسا نہیں کہ
ویران ہے میری گلی
بچوں کی موجودگی سے
لیکن نہ معلوم کیا ہو گیا ہے
انھیں
نہیں چونکتے نہ ہی مچلتے ہیں
سن کر پیپی، بانسری یا
بن کی شیریں آواز
ایسا بھی نہیں کہ
بے حس ہو گئے ہیں وہ
یا توبہ کر چکے ہیں
بال ہٹھ (ضد) سے
ضد تو خوب کرتے ہیں وہ والدین سے
لیکن کھلونوں کی خاطر نہیں
ٹھائیں...... ٹھائیں کرنے والی بندوق کے لیے
مسلسل گولیاں اگلنے والے
اے کے فورٹی سیون کے لیے
ہماری گلی کے بچے
سیانے ہو گئے ہیں
وقت سے قبل

غیاث الرحمٰن شکیب
محلہ چھاؤنی
جاورہ

فاتحہ

مجرئی پھر کربلا کا سانحہ تازہ ہوا
لشکر جرار کا چاروں طرف غلبہ ہوا
پھر اسی خطے پہ ظالم کے مقابل تھا حسین
پھر کوئی تو تھا یزیدی حکمرانی کے خلاف
خوف تھا رہ جائے گا رن میں فقط تنہا حسین
کیونکہ عربوں کی روایت کا ہے مجھ کو اعتراف

اور اب پچھتائیں گے پڑھتے رہیں گے فاتحہ

اکرم نقاش
گلبرگہ۔ کرناٹک

غزل

زخم دے اور کر نہال مجھے
شہر درماں سے مت نکال مجھے

سحر سرشاریٔ جمال نہ پوچھ
ایک ہیں ہجر اور وصال مجھے

قصر و ایواں نہ کر مری میراث
مسند خاک پر اچھال مجھے

سر بلندی سے بچ بچا آیا
اب کے گہرائیوں میں ڈال مجھے

منصب درد سے اے میرے خدا
مستعفی ہوں تو کر بحال مجھے

میں نہیں جانتا کہ تیرے سوا
اور کس کا رہا خیال مجھے

عشرت دہر تو چھلاوا ہے
غم کدے تو ہی دیکھ بھال مجھے

اہل دانش کی رزم گاہوں میں
بے خودی لگ رہی ہے ڈھال مجھے

بھٹناگر شاداب
۴۸۔بی۔ایم۔کمپاؤنڈ۔جی۔ٹی روڈ
غازی آباد۔یو۔پی

غزل

بجائی خوب شہنائی جہاں کی شان بسم اللہ
اٹھایا فن کو اونچا تاحدِ امکان بسم اللہ

ہمارے خان صاحب فن میں یکتا ہیں زمانے میں
ملی ہے سازِ نے کو آپ سے پہچان بسم اللہ

جو پہلے یوم آزادی پہ گونجی ان کی شہنائی
وہ بھارت رتن ہیں ہندوستاں کی آن بسم اللہ

ہراک گوشے میں دنیا کے ملیں گے ان کے شیدائی
وقارِ فن شہنائی ہے تیرا مان بسم اللہ

بجائی خوب شہنائی یہ بس حصہ انھیں کا ہے
یہ ان کا فن ہے، موسیقی کا ہے فرمان بسم اللہ

بڑے مشاق شہنائی بجانے والے کہتے ہیں
ثریا تک تو پہنچادی ہے تم نے تان بسم اللہ

بنارس میں رہے استاد بسم اللہ خاں صاحب
وہی شاداب شہنائی کی ہیں پہچان بسم اللہ

جاوید اکرم
چاکری
کانپور

غزل

گر اعتبار نہ کرتا تو اور کیا کرتا
میں اس سے پیار نہ کرتا تو اور کیا کرتا

بچھڑتے وقت ان آنکھوں میں چاند روشن تھا
میں انتظار نہ کرتا تو اور کیا کرتا

مرے خلوص سے گھبرا گیا تھا میرا دوست
پلٹ کے وار نہ کرتا تو اور کیا کرتا

ہوا کے ساتھ ہی چلنے میں فائدہ تھا مرا
یہ کاروبار نہ کرتا تو اور کیا کرتا

سفر طویل بھی تھا اور ہم سفر بھی نہ تھا
سفر سوار نہ کرتا تو اور کیا کرتا

کنارے ڈوبتے جاتے تھے ایک اک کرکے
میں دریا پار نہ کرتا تو اور کیا کرتا

خود آگیا تھا پرندہ مرے نشانے پر
جو میں شکار نہ کرتا تو اور کیا کرتا

سکونِ دل بھی وہی تھا، قرارِ جاں بھی وہی
وہ بے قرار نہ کرتا تو اور کیا کرتا

سالم شجاع
محلہ بغیا، فیروز آباد
یو۔ پی

غزل

کس قدر امتزاج رکھتا ہے
کل کی آنکھوں میں آج رکھتا ہے

ایک ایک بات لکھ رہا ہے وہ
وقت سب اندراج رکھتا ہے

اس کی لااعتباریاں دیکھو
کل کی خاطر اناج رکھتا ہے

کوئی وعدہ کبھی نہیں کرتا
یوں بھی وعدے کی لاج رکھتا ہے

خاک رکھتا ہے راہ کی سر پر
ٹھوکروں میں جو تاج رکھتا ہے

ہے مریض غم محبت وہ
ہر مرض کا علاج رکھتا ہے

جسم پتھر کا ہے مگر سالم
خوشبوؤں کا مزاج رکھتا ہے

سرور عالم راز سرور
امریکہ

(گذشتہ سے پیوستہ)

اُردو میں فارسی محاورے اور ضرب الامثال

(۴۴) ہر کمال را زوال است

(ہر کمال کو زوال ہوتا ہے)

انسانی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حالات کبھی ایک سے نہیں رہتے۔ اس دنیا کے کارخانہ کا یہ اٹل قانون ہے کہ کوئی شخص، قوم، معاشرہ یا نظریہ ہمیشہ ہی بامِ عروج پر نہیں رہتا ہے بلکہ صفحۂ ہستی پر اُبھر کر اور شان و شوکت کے اعلاترین مقام پر فائز ہونے کے بعد ایسا زوال پذیر ہو جاتا ہے کہ پھر اس کی حیثیت ایک داستان پارینہ سے زیادہ نہیں رہ جاتی ہے۔ اُردو میں اسی مطلب کو یوں ادا کرتے ہیں (حالانکہ یہ فقرہ نسبتاً بہت معمولی اور غیر موثر ہے) کہ: ہمیشہ ایک سے دن نہیں رہتے۔ اسی خیال کی بنیادی حقیقت ایک اور مقولہ سے ظاہر ہوتی ہے جو اپنے لغوی معنی میں تو درج بالا فارسی قول کا الٹا ہے لیکن معنوی طور پر دونوں میں فرق نہیں ہے۔ وہ کہاوت یوں ہے کہ بارہ برس کے بعد تو گھورے کے دن بھی پھر جاتے ہیں۔ (گھورا! کوڑے کرکٹ کے ڈھیر کو کہتے ہیں)

(۴۵) کہ عشق آساں نمود اوّل اوّل و لے افتاد مشکل ہا

(عشق اوّل اوّل تو آسان نظر آیا لیکن بعد میں مشکل ہوتا گیا۔)

یہ حافظ شیراز کے دیوان کی پہلی غزل کے مطلع کا مصرع ثانی ہے۔ مطلع کا پہلا مصرع عربی میں ہے۔ حافظ شیرازی کا پورا شعر یوں ہے:

الا یا ایُّھا الساقی! اَدرِ کاساً وَ ناوِلہا
کہ عشق آساں نمود اوّل و لے افتاد مشکل ہا

(اے ساقی! ساغر کا دَور چلنے دے اور مجھ کو پلائے جا کہ اوّل اوّل تو عشق آسان نظر آتا تھا لیکن بعد میں مشکل ہوتا چلا گیا)

کوئی کام اگر شروع میں آسان نظر آئے لیکن پھر تجربہ اس کو مشکل ثابت کرے تو یہ جملہ

حیرت اور افسوس کے اظہار کے طور پر اور کچھ طنزاً بھی کہا جاتا ہے۔ گویا، اور یہ پڑ گئی کیسی مرے اللہ نئی! دونوں مصرعوں میں معنوی ربط کی بنیاد شاعر کا یہ تصور ہو سکتا ہے کہ شراب کے نشہ میں وہ عشق کی تمام مشکلات اور پریشانیاں بھول جائے گا۔

(۴۶) افسردہ دل افسردہ کُند اَنجمن را

(ایک افسردہ دل آدمی پوری انجمن کو افسردہ کر دیتا ہے)

یہ ہمارا روزانہ کا مشاہدہ ہے کہ اگر کسی محفل میں ایک شخص بھی افسردہ دل بیٹھا ہو تو پوری محفل کا رنگ خراب ہو جاتا ہے۔ لوگوں کی طبیعت اس کی افسردگی سے متاثر ہوتی ہے اور پھر، رنگ میں بھنگ پڑتے دیر نہیں لگتی ہے۔ اس سے ملتا جلتا ایک مقولہ اُردو میں ہے حالانکہ اس کے معنی مختلف ہیں اور اس کا اطلاق قدرے مختلف حالات میں ہوتا ہے لیکن اس کیفیت کے لحاظ سے جس کا ذکر یہاں کیا جا رہا ہے تقریباً یہی مفہوم رکھتا ہے یعنی ایک مچھلی سارے تالاب کو گندا کرتی ہے۔

(۴۷) تو نظر باز نہ ورنہ تغافل نگہ است تو زباں فہم نہ ورنہ خموشی سخن است

(ظہوری)

(تو صاحب نظر نہیں ہے ورنہ تجھ کو معلوم ہوتا کہ تغافل ہی توجہ کے مترادف ہوتا ہے۔ تو زباں فہم بھی نہیں ہے ورنہ یہ بھی تجھ پر ظاہر ہوتا کہ خاموشی بھی زبان ہو سکتی ہے)

جیسا کہ اس شعر کے سیاق وسباق سے ظاہر ہے بات اشارہ کنایہ میں بھی کہی جا سکتی ہے اور جو لوگ صاحب دل ونظر ہیں وہ اس کو خوب سمجھتے ہیں۔ اُنھیں کسی لمبی وضاحت کی ضرورت نہیں ہوتی ہے اور ان کے لیے مخاطب کا تغافل اس کی توجہ کا اور اُس کی خاموشی ہزار باتوں کا مترادف ہو سکتی ہے۔

(۴۸) برعکس نہند نام زنگی کافور

(دیکھو تو سہی کہ سیاہ فام آدمی کا نام اُلٹ کر کافور رکھ دیا)

جس کیفیت کا یہاں ذکر ہو رہا ہے اس کو: اجتماع ضدین: (یعنی دو مخالف باتوں کا یکجا ہو جانا) بھی کہتے ہیں۔ کسی مغل بادشاہ کے ایک افریقی نژاد، سیاہ فام ملازم کا نام کافور تھا۔ (اور کافور سفید ہوا کرتا ہے!)۔ اسی شخص پر کسی ظالم نے یہ فقرہ وضع کیا تھا کہ یہ کیا ستم ظریفی ہے کہ ایک زنگی (یعنی سیاہ فام شخص) کا نام کافور ہے! یہ جملہ ایسے مقامات پر استعمال ہوتا ہے جہاں اصل بات کو بالکل ہی الٹ دیا گیا ہو یا کسی شخص کے متعلق کوئی ایسی بات وضع کی جائے جس سے

اس کا کوئی علاقہ نہ ہو۔ اردو میں کم و بیش اسی مضمون کا ایک محاورہ مستعمل ہے ماروں گھٹنا، پھوٹے آنکھ! یعنی یہ کیا ستم ظریفی ہے کہ میں نے تو گھٹنے پر وار کیا ہے اور آپ آنکھ پھوٹ جانے کی شکایت کر رہے ہیں!

(۴۹) تو و طوبیٰ و ما و قامتِ یار فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

(تیری فکر طوبیٰ تک جاتی ہے اور میرا خیال اپنے محبوب کے قد تک۔ ہر ایک کی فکر اس کی ہمت کے برابر ہی ہوا کرتی ہے)

یہ حافظ شیرازی کا ایک بہت ہی مشہور شعر ہے جو ادب میں اکثر استعمال ہوا کرتا ہے۔ کسی شخص سے اختلافِ رائے ہو اور اُس کی رائے صائب نہ معلوم ہو تو بات ٹالنے کے لیے کہتے ہیں اپنا اپنا خیال ہے۔ میں یوں سوچتا ہوں اور آپ یوں! فکرِ ہر کس بقدر ہمت اوست!

(۵۰) بگردِ کعبہ ہندو شُد، مسلماں گشت بے ایماں
چوں کفر از کعبہ برخیزد کُجا ماند مسلمانی

(غنی)

(کعبہ کے گرد طواف کر کے مسلمان بھی ہندو کی طرح بے ایمان ہو گیا۔ اگر کعبہ سے ہی کفر اُٹھنے لگے تو پھر مسلمانی کا کیا بنے گا؟)

یہاں کعبہ کو ہندوؤں کے بت سے مماثل کہا گیا ہے کہ دونوں ہی پتھر کے ہیں اور انسان کے ہی بنائے ہوئے ہیں۔ مسلمان کعبہ کا طواف کرتے ہیں اور اس کی طرف منہ کر کے سجدہ بھی کرتے ہیں۔ گویا اس ظاہری حد تک مسلمانوں اور ہندوؤں کی عبادت میں ایسا بڑا فرق نہیں ہے۔ اس شعر کا دوسرا مصرع چوں کفر از کعبہ برخیزد، کجا ماند مسلمانی؟ عام طور سے ایسے موقع پر کہا جاتا ہے جب ایک انہونی سی بات کہی جائے اور اس کا جواز کسی دور از کار لیکن بظاہر ثقہ اور معتبر دلیل سے قائم کرنے کی کوشش کی جائے۔ اگر اُس دلیل سے دراصل ایسی بات کی نفی ہوتی ہو اور وہ اُس کے اثبات میں قطعی طور پر غیر موثر ہو تو اس فقرہ کا زور مزید بڑھ جاتا ہے۔

(۵۱) اگر دستے کُنم پیدا، نمی یابم گریباں را

(اگر کسی صورت میں ہاتھ پیدا بھی کرلوں تو مجھے ڈھونڈے سے بھی گریبان نہیں ملتا ہے)

یہ جملہ اپنے بے بسی و بیکسی ظاہر کرنے کے لیے کہا جاتا ہے کہ اب میرا یہ حال ہے کہ دیوانگی میں اگر میں ہاتھ پیدا بھی کرلوں تو پھاڑنے کے لیے گریبان ہی نہیں ملتا!

(۵۲) اے سرو! بتو شادم شکلت بفلاں ماند

اے دل بہ تو خُرسندم تو بوئے کسے داری

(حسن سجزی)

اے سَرو! میں تجھ سے خوش ہوں کہ تیری شکل فلاں شخص سے یعنی میرے محبوب سے ملتی جلتی ہے اور اے دل! میں تجھ سے بہت شاد ہوں کہ تجھ میں کسی کی یعنی میرے محبوب کی خوشبو بسی ہوئی ہے)

سَرو: (Cypress) ایک درخت ہے جو زمین سے بالکل سیدھا اوپر اُٹھتا ہے اور اس میں خم نہیں ہوتا ہے۔ اسی لیے محبوب کو سرو قامت (یعنی سیدھی قامت والا) کہتے ہیں کہ یہ خوبصورتی اور بانکپن کی نشانی ہے۔ درج بالا شعر کسی شخص کی تعریف کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

(۵۳) نہ ریخت دُردِ مے و محتسب ز دَیر گذشت

رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت

(آصفی)

(محتسب مے خانہ آیا تو تھا لیکن وہ شراب کی تلچھٹ بھی زمین پر گرائے بغیر چلا گیا یعنی ساری شراب پی گیا۔ بڑی ہی حیرت ہوئی کہ ایک بلا آئی تو تھی لیکن بخیر وخوبی گزر گئی)

کسی پر کوئی بُرا وقت پڑے یا وہ کسی آزمائش میں مبتلا ہو لیکن ایسا وقت بخیر وخوبی گزر جائے تو کہتے ہیں کہ رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت! یہاں اس بات کو شاعرانہ انداز میں کہا گیا ہے کہ محتسب مے خانہ آیا تو کسی اور ہی نیت سے تھا (یعنی شرابیوں کا احتساب کرنے) لیکن پھر خود ہی پینے بیٹھ گیا اور ایسا مدہوش ہوا کہ شراب کی تلچھٹ تک پی گیا اور اس کی ایک بوند بھی زمین پر نہیں گرنے دی۔ خدا کا شکر ہے کہ مصیبت آئی تو تھی لیکن گزر گئی فارسی میں دُرد اور اُردو میں تلچھٹ (یعنی برتن کی تلی میں چھوٹی ہوئی) بچی کھچی شراب کی ان چند بوندوں کو کہتے ہیں جو ساغر میں رہ جاتی ہیں۔ ان میں عموماً شراب کی کشید کا کچھ گرد وغبار بھی ہوتا ہے۔

(۵۴) ہر چہ بادا باد ما کشتی در دریا انداختیم

(اب جو بھی ہو گا دیکھا جائے گا۔ ہم نے تو کشتی دریا میں اُتار دی ہے)

آدمی کسی کام کا پختہ ارادہ کر لے اور اللہ کا نام لے کر نتائج سے بے نیاز ہو کر اس کو شروع کر دے تو یہ فقرہ ادا کرتا ہے۔

(۵۵) کجا دانند حال ما سبکساران ساحل ہا

(جولوگ ساحل پر آرام سے کھڑے ہیں وہ میرا حال کیا جانیں)

یہ مصرع حافظ شیرازی کے ایک شعر کا ہے۔ پورا شعر یوں ہے:

شب تاریک و بیم موج و گردابے چنیں حائل — کجا دانند حالِ ما سبکسا رانِ ساحل ہا

یعنی رات اندھیری ہے، لہروں کا خوب ہے اور گرداب بھی راہ میں حائل ہے۔ جولوگ ساحل پر آرام سے کھڑے ہوئے ہیں وہ میرا حال کیا جانیں؟ یہ مصرع اُس وقت پڑھا جاتا ہے جب انسان مصیبتوں اور آزمائشوں میں گرفتار ہوتا ہے لیکن دنیا والے اس کی پریشانیوں کو بے وزن اور فضول جانتے ہیں اور اس کو اس طرح تسلیاں دیتے ہیں گویا کوئی بات ہی نہیں ہے۔

(۵۶) ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شُد زعشق

ثبتست بر جریدۂ عالم دوامِ ما

(حافظ شیرازی)

(جس کا دل عشق کی سرشاری میں زندہ ہو وہ کبھی نہیں مرتا ہے۔ ہم نے بھی اسی طرح دنیا کے صفحہ پر اپنا نام درج کروا کے دوام حاصل کرلیا ہے)

اس شعر کا دوسرا مصرع گفتگو یا بحث کے دوران استعمال ہوتا ہے۔ مطلب ترجمہ سے ہی ظاہر ہے۔

(۵۷) اے بسا آرزو کہ خاک شُدہ

(ہائے وہ آرزو جو خاک میں مل گئی)

زندگی اور آرزو کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جو شخص بھی اس دنیا میں ہے کسی نہ کسی آرزو کا شکار ہے۔ یہ آرزوئیں کبھی پوری ہو جاتی ہیں اور کبھی نہیں بھی ہوتیں۔ بلکہ عام طور سے کم ہی پوری ہوتی ہیں! اپنی آرزوؤں کو ناکام ہوتے ہوئے دیکھ کر بے ساختہ زبان سے یہ فقرہ نکل جانا حیرت کی بات نہیں ہے!

(۵۸) ما در چہ خیالیم و فلک در چہ خیال

(ہم کس خیال میں ہیں اور آسمان کس فکر میں ہے!)

آدمی طرح طرح کی امیدیں اپنے دل میں رکھتا ہے اور ان کی تکمیل کے لیے ہر طرح سے کوشاں رہا کرتا ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کی امید پوری ہو جائیں۔ ہماری ادبی اور

سماجی روایت میں آسمان سے ظلم وستم اور تکلیف کا تصور وابستہ ہے۔ چنانچہ جب کوئی اپنی آرزوؤں میں ناکام ہوتا ہے تو شاعری کی زبان میں آسمان کو ہی اپنی حالت کا ذمہ دار قرار دیتا ہے کہ دیکھو میں تو کیا سوچ رہا تھا لیکن یہ ظالم آسمان کسی اور ہی خیال میں میری بربادی کی تدبیریں کر رہا تھا۔ آدمی کے ارادوں اور امیدوں کی یہی ناپائداری ہے جس نے حضرت علیؓ سے یہ کہلوایا تھا کہ میں نے اللہ کو اپنے ارادوں میں ناکام ہو کر پہنچانا ہے۔

(۵۹) درکارِ خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست

(نیک کام میں کسی استخارہ کی ضرورت نہیں ہے)

یہ حافظ شیرازی کے ایک شعر کا مصرع ہے۔ پورا شعر یوں ہے:

ہر گہ کہ دل بعشق دہی خوش دلی بود   در کار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست

یعنی جب بھی تو کسی کو اپنا دل محبت میں دیتا ہے تو وہ خوشی کا مقام ہوتا ہے۔ نیک کام میں کسی استخارہ کی ضرورت نہیں ہوا کرتی ہے۔ استخارہ کا لغوی مطلب دو امور میں سے بہتر کی تلاش ہے چنانچہ یہ ایسی عبادت یا دعا کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جس سے کسی مسئلہ میں ایک فیصلہ پر آسانی سے پہنچنے کی توقع ہو۔ نیک کام میں چونکہ کسی ہچکچاہٹ یا تذبذب کی ضرورت ہی نہیں ہوتی اس لیے ایسے مقامات پر استخارہ کی کیا ضرورت ہے؟

(۶۰) ویں دفتر بے معنی غرق مئے ناب اولیٰ

(بہتر تو یہی ہے کہ ایسی بے معنی تحریر کو شراب کے ساغر میں ہی پہلے ڈبو یا جائے)

یہ مصرع بھی حافظ شیرازی کے ہی ایک شعر کا ہے۔ پورا شعر اس طرح ہے:

ایں خرقہ کہ من دارم، در رہن شراب اولیٰ   ویں دفتر بے معنی غرق مئے ناب اولیٰ

یعنی یہ خرقہ یا لبادہ جو میں اوڑھے ہوئے ہیں اس قابل ہے کہ اس کو شراب کے لیے رہن رکھ دیا جائے اور یہ بے معنی تحریر (جو میرے ہاتھ میں ہے) اس قابل ہے کہ اس کو شراب کے ساغر میں ہی پہلے ڈبو یا جائے۔

یہ مشہور ہے کہ جب نادر شاہ دُرّانی نے دہلی پر حملہ کیا اور اس کی فوج ظفر موج شہر کی فصیل تک آگئی تو یہ خبر لے کر ایلچی محمد شاہ رنگیلہ بادشاہِ دہلی کے پاس پہنچا۔ بادشاہ اُس وقت بیٹھا شراب پی رہا تھا۔ اس نے ایلچی کے ہاتھ سے اس منحوس خبر کا خط لے کر شراب کے گلاس میں ڈبو دیا تھا اور یہ مصرع پڑھا تھا۔

(۶۱)	ہر فرعونِ راموسیٰ

(ہر فرعون کے لیے ایک موسیٰ موجود ہے)

انسانی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ سیر کو سوا سیر ہمیشہ ہی ملا ہے۔ یعنی کوئی کتنا ہی باجبروت اور طاقت ور کیوں نہ ہو اُس کو نیچا دکھانے کے لیے کوئی نہ کوئی اس سے زیادہ زبردست کہیں نہ کہیں ضرور ہوتا ہے۔ یہی قدرت کا نظام ہے اور اس سے کسی طرح مفر نہیں ہے۔ گویا ہر فرعون کے لیے قدرت نے دنیا میں ہی ایک موسیٰ کو پیدا کر رکھا ہے جو اس کو شکست کا مزہ چکھاتا ہے۔ اس حوالہ سے شیخی خور اور ظالم لوگوں کے لیے اس فقرہ کا استعمال کیا جاتا ہے کہ یہ مقام بلند اور ظلم و ستم ہمیشہ قائم نہیں رہیں گے۔ کوئی تم سے بھی زیادہ طاقتور شخص تمھیں نیچا دکھانے کے لیے کہیں نہ کہیں موجود ہے۔ بس وقت آنے کی دیر ہے!

(۶۲)	چشم سوئے فلک و روئے سخن سوئے تو بود

(میری نگاہ تو آسمان کی جانب تھی لیکن میرا روئے سخن تیری جانب تھا)

یہ مصرع مرزا غالب کا ہے۔ شاعری میں آسمان کو عاشق پر ظلم و ستم کا ذمہ دار سمجھا جاتا ہے گویا جو مصیبت بھی نازل ہوتی ہے وہ آسمان سے ہی نازل ہوتی ہے۔ اسی طرح محبوب کے متعلق بھی کہا جاتا ہے کہ وہ ہمیشہ عاشق کے درپے آزار رہا کرتا ہے۔ چنانچہ مصرع کا مطلب یہ ہوا کہ جب میں اپنی ناکامیوں اور نامرادیوں کا شکوہ آسمان سے کر رہا تھا تو دراصل میرا روئے سخن تیری (یعنی محبوب کی) جانب ہی تھا۔ اس مصرع کا محل استعمال اس کے سیاق و سباق سے واضح ہے۔

(۶۳)	کس نہ دانست کہ منزل گہ مقصود کجاست
ایں قدر ہست بانگے جرسے می آید

(حافظ شیرازی)

(یہ کسی کو نہیں معلوم ہے کہ ہماری منزل مقصود کہاں ہے۔ بس اس قدر ہے کہ دور کہیں سے جاتے ہوئے کارواں کی گھنٹی کی آواز آئے چلی جاتی ہے)

اس شعر میں انسانی زندگی کے سفر اور اس کی بے سروسامانی نیز اس کی منزل آخر کی لاعلمی کا نہایت خوبصورت بیان ہے۔ کسی کو زندگی کا مقصد، اس میں پیش آنے والے حادثات و معاملات کے پیچھے کارفرما حکمت عملی اور اس کے انجام کی خبر نہیں ہے گویا کاروانِ زندگی میں ہر شخص لاعلم ہے کہ ہم کہاں جا رہے ہیں اور کیوں جا رہے ہیں۔ بس یہ ہے کہ دور سے قافلہ کی گھنٹی کی آواز کانوں

میں یہ پیغام لے کے آئے جاتی ہے کہ یہ سفر ہمیشہ سے جاری ہے اور ہمیشہ جاری رہے گا۔

(۶۴) تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را
گا ہے گا ہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

(اگر تو یہ چاہتا ہے کہ تیرے سینہ کے داغ تازہ رہیں تو کبھی کبھی اس پرانے قصہ کو دہرالیا کر)

سینہ کے داغ تازہ رکھنے سے مراد پرانی باتوں اور محبت اور زندگی میں اٹھائے ہوئے غموں کو یاد رکھنا ہے۔ اس کا ایک پر کیف طریقہ یہ ہے کہ گا ہے گا ہے اس زمانہ کو یاد کر کے دل ہی دل میں یہ قصہ پارینہ دُہرالیا جائے۔ مصرع کا محل استعمال سیاق وسباق سے ظاہر ہے۔

(۶۵) عمرت دراز باد کہ ایں ہم غنیمت است

(خدا تیری عمر دراز کرے کہ اس قدر بھی غنیمت ہے)

اگر کوئی دوست آپ کے لیے کچھ کرے جو متوقع تو ہو لیکن آپ کی توقعات سے کم ہو تو آپ یہ فقرہ استعمال کریں گے۔ یہاں عمرت دراز باد کو طنزیہ انداز میں بھی لیا جا سکتا ہے کہ مجھ کو آپ سے اتنی بھی امید نہیں تھی۔ آپ نے جس قدر کیا اسی کو بھی غنیمت جانتا ہوں گویا یہ وہی چیز ہوئی جس کو ایک اور بھونڈی سی کہاوت میں بھاگتے بھوت کی لنگوٹی کہا گیا ہے کہ جو بھی مل جائے وہی غنیمت ہے!

(۶۶) بزیرِ دلقِ ملمّع کمند می دارند
دراز دستی ایں کوتہ آستیناں بیں

(حافظؔ شیرازی)

(ان کوتاہ آستیں لوگوں کی دراز دستی اور ظلم تو دیکھو کہ اپنی رنگین فقیرانہ گدڑی کے نیچے ایک جال رکھ چھوڑا ہے)

یہ شعر ایسے لوگوں کو انتہائی حقیقت آمیز اور عبرت ناک تصویر کشی کرتا ہے جو منہ میں رام اور بغل میں چھری پر عمل کرتے ہیں۔ یعنی جن کا عمل اُن کے بیان کے بالکل خلاف ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ وہ لوگ ہوئے جن پر کسی صورت میں اعتبار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس شعر میں دراز دستی کے ساتھ کوتہ آستیناں کی ترکیب نے جو لطیف طنز پید کیا ہے وہ محسوس تو کیا جا سکتا ہے لیکن اس کو الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں ہے!

(۶۷) از ما مپرس حالِ دل ما کہ یک زماں
خود را بحیلہ پیش تو خاموش کردہ ایم

(صبرؔی اصفہانی)

(ہم سے ہمارے دل کا حال نہ پوچھ کہ ہم نے ایک مدت سے خود کو کسی نہ کسی بہانے بڑی مشکل سے تیرے سامنے خاموش کر رکھا ہے)

جیسا کہ شعر کے معنی سے ظاہر ہے اس کو ایسے وقت استعمال کرتے ہیں جب آپ کو کسی شخص سے شکایت ہو لیکن کسی مصلحت کے تقاضا سے شکوہ کرنے کی بجائے آپ خاموشی بہتر جانتے ہوں۔ شعر کا مضمون اتنا نازک اور صلح آمیز ہے کہ اس سے بات بڑھنے یا مخاطب کے خفا ہو جانے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

(۶۸) خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

(اللہ تعالیٰ ان پاک طینت عاشقوں پر اپنی رحمت نازل فرمائے)

یہ جانجاناں مظہر کے ایک شعر کا مصرع ثانی ہے۔ پورا شعر یوں ہے:

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

یعنی انھوں نے اپنے ہی خاک وخون میں لت پت ہونے کی کیا اچھی رسم اختیار کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان نیک طینت عاشقوں پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ شعر کا محل استعمال اس کے معنی سے ظاہر ہے۔ عام طور سے یہ لوگوں کی تعریف کے لیے مستعمل ہے۔

(۶۹) آسماں بارِ امانت نتوانست کشید
قُرعۂ فال بنامِ من دیوانہ زدند

(حافظ شیرازی)

(آسماں بھی اِس بارِامانت کا بوجھ نہ سنبھال سکا اور آخر کار اس آزمائش میں مجھ جیسے دیوانہ کے نام قرعۂ فال نکل آیا)

عام طور پر اس شعر کا دوسرا مصرع ہی گفتگو یا تحریر میں اس وقت استعمال ہوتا ہے جب ایک مشکل کام کے لیے نظرِ انتخاب کسی مخصوص شخص پر پڑے۔ اس شعر کا ایک لطیف پہلو وہ بھی ہے جس کی جانب قرآن مجید میں اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ نے اپنی خلافت کی امانت آسمانوں اور زمینوں کو سونپی لیکن انھوں نے اس کے تحمل کی تاب خود میں نہ پا کر معذرت کر لی۔ آخر کار انسان نے یہ ذمہ داری قبول کر لی۔ شعر میں من دیوانہ سے مراد انسان ہی ہے۔

(۷۰) یک نہ شُد دو شُد

(ایک نہ ہُوا، دو ہو گئے!)

اگر ایک مسئلہ ابھی حل نہ ہو سکے اور دوسری مشکل کا سامانا ہو جائے تو کہتے ہیں کہ یہ بھی خوب رہی۔ یک نہ شُد دو شُد۔ اسی خیال کو ایک شاعر نے ایک شعر میں کیا خوب ادا کیا ہے۔

ایک مشکل ہے تو مَر مَر کے ہوا تھا جینا　　　اور یہ پڑ گئی کیسی مرے اللہ نئی!

(۷۱)　اگر پدر نہ تواند پسر تمام کند

(اگر باپ کوئی کام نہ کر سکے تو بیٹا اُس کو پورا کر دیتا ہے۔)

کسی کا بیٹا لائق و فائق نکلے اور اپنے باپ کے نقش قدم پر چل کر اُس سے بازی لے جائے یا باپ کے کیے سے جو کام نہ ہو سکا تھا اس کو سر انجام دے تو اُس وقت یہ فقرہ استعمال کیا جاتا ہے۔

(۷۲)　ہم چوں من دیگرے نیست

(مجھ جیسا کوئی اور نہیں ہے)

ظاہر ہے کہ یہ فقرہ شیخی اور مبالغہ کا ہے اور کوئی سنجیدہ اور ذمہ دار شخص خود اپنے لیے اس کا استعمال نہیں کرے گا۔ عام طور سے یہ جملہ کسی کی تضحیک کے طور پر مستعمل ہے کہ دیکھو تو فلاں اپنے کو جانے کیا سمجھتا ہے گویا کہہ رہا ہے کہ ''ہم چوں من دیگرے نیست!''

(۷۳)　ایں کار از تو آید و مَرداں چنیں کنند

(یہ کام تو یقیناً تجھ سے ہی ہو سکتا تھا اور جواں مرد ایسا ہی کیا کرتے ہیں!)

اگر کوئی شخص ایسا کام کرے جو ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے اور اس طرح دوسروں پر اپنی فضیلت قائم کرے تو تعریف و توصیف کے لیے اس سے یہ جملہ کہا جاتا ہے۔

(۷۴)　بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

(اے بابر! جی بھر کے عیش کر لے کیونکہ یہ دنیا تجھ کو دوبارہ نہیں ملے گی!)

ہندستان میں مغلیہ سلطنت کا بانی ظہیر الدین محمد بابر فارسی اور ترکی زبان میں شاعری بھی کرتا تھا۔ درج بالا مصرع اس کے ایک شعر کا مصرع ثانی ہے۔ پورا شعر یوں ہے:

نو روز و نو بہار و مے و دلبری خوش است

بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

یعنی نوروز (سال کا پہلا دن) ہو، بہار کی آمد آمد ہو، شراب ساقی کا دور بھی چل رہا ہو اور کوئی دلبر بھی ساتھ موجود ہو تو کیا ہی اچھی بات ہے۔ اے بابر! جی بھر کے عیش کر لے کیونکہ یہ دنیا تجھ کو دوبارہ نہیں ملے گی۔

(۷۵) چوں نہ دیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند

(جب انھیں حقیقت کی راہ نظر نہیں آئی تو انھوں نے افسانہ گڑھ لیا)

یہ حافظ شیرازی کے درج ذیل شعر کا مصرع ثانی ہے۔

جنگِ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ چوں نہ دیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند

یعنی بہتر (۷۲) ممالک کی آپس کی جنگ کی معذوری سمجھ کہ جب انھیں حقیقت کا ادراک نہ ہوا تو انھوں نے افسانہ کی راہ اختیار کر لی۔

انسانی زندگی اور دنیا کے شر و فساد کا یہی المیہ ہے کہ کوئی حقیقت سمجھنے اور سیدھی راہ چلنے کو تیار نہیں ہے بلکہ دانستہ و نادانستہ اس سے چشم پوشی کر کے خود فریبی اور افسانہ سازی کی فرضی راہ پر چلنا آسان اور اپنے مفاد میں سمجھتا ہے۔

(۷۶) گربہ کشتن روزِ اوّل

(بلّی پہلے ہی روز ماری جاتی ہے!)

اس محاورہ کا مطلب یہ ہے کہ اپنی ساکھ، مقام اور رعب روز اول ہی قائم کرنا چاہیے۔ وقت گزر جائے تو یہ کام مشکل ہوتا جاتا ہے۔ بلکہ اگر یہ کوشش وقت گزر جانے کے بعد کی جائے تو اس کے نتائج مضحکہ خیز ہو سکتے ہیں۔ اس کہاوت کے پس منظر کو سمجھنے کے لیے ایک لطیفہ بھی مشہور ہے۔ آپ بھی سُن کر لطف اندوز ہوئیے۔

ایک شہر میں دو بھائی رہتے تھے۔ دونوں کی شادی ساتھ ساتھ ہوئی۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ چھوٹے بھائی کی بیوی اس کی فرمانبردار اور خدمت گزار نکلی جب کہ بڑے بھائی کی بیوی نے اپنی بدزبانی اور روزانہ کے جھگڑے فساد سے اُس کی زندگی چند ہی دن میں حرام کر دی۔ عاجز آ کر بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی سے شادی میں اس کی کامیابی کا راز پوچھا۔ چھوٹے بھائی نے کہا کہ بھائی صاحب! جب میں شادی کی رات حجلۂ عروسی میں گیا تو کہیں سے ایک بلّی میاں میاوں کرتی آنکلی میں نے کونے سے لاٹھی اٹھا کر اس کو وہ ہاتھ مارا کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گئی۔ بیوی کے دل میں میرے غصہ کا ایسا ڈر بیٹھا کہ وہ دن اور آج کا دن مجھ سے چوں تک نہیں کرتی ہے۔

اُسی رات بڑے بھائی کے کمرہ میں بھی اتفاق سے ایک بلّی آنکلی۔ اُس نے بھی کونہ سے لاٹھی اٹھا کر بچاری بلّی کو وہیں مار گرایا۔ لیکن جواب میں اس کی بیوی نے اُس کے وہ لتے لیے کے اللہ دے اور بندہ لے! صبح بڑا بھائی بھاگا بھاگا چھوٹے بھائی کے پاس گیا اور بیوی کے ہاتھوں اپنی

بدحالی کی بپتا سنائی۔ چھوٹا بھائی ہنس پڑا اور بولا بھائی صاحب! ابھی تو پہلے دن ہی ماری جاتی ہے!

(۷۷) نقل راچہ عقل؟

(نقل کرنے کے لیے عقل کی کیا ضرورت ہے؟)

جیسا کہ سیاق وسباق سے ظاہر ہے کسی کی نقل کرنے کے لیے عقل کی ضرورت نہیں ہوتی ہے اور اسی لئے نقل کرنے والا اکثر ناکام رہتا ہے کیونکہ اس کی بات میں خود اس کی سمجھ بوجھ کا کوئی ہاتھ نہیں ہوتا ہے۔ لہٰذا کہا جاتا ہے کے نقل بھی سوچ سمجھ کر کرنا ضروری ہے ورنہ اپنے منہ کی کھاؤ گے۔

(۷۸) ہر دو عالم قیمتِ خود گفتہ ای

نرخ بالا کُن کہ ارزانی ہنوز

(امیر خسرو)

(تو اپنی قیمت صرف دو عالم ہی بتا رہا ہے۔ اپنی اس قیمت کو اور بڑھا کیونکہ تو ان داموں بھی بہت سستا ہے)

بعض لوگ حد درجہ انکساری سے کام لیتے ہیں اور دوسروں کے سامنے بچھے جاتے ہیں جبکہ ان کی صلاحیتیں اور خوبیاں کچھ اور ہی چاہتی ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے اس شعر کو استعمال کیا جاتا ہے کہ حضرت! ایسی بھی کیا کسر نفسی؟ آپ خود کو اس قدر کم تو نہ سمجھیں۔

(۷۹) زبان یارِ من تُرکی و من تُرکی نہ می دانم

(میرے محبوب کی زبان تُرکی ہے اور میں تُرکی سے ناواقف ہوں)

یہ امیر خسرو کے ایک شعر کا مصرع ثانی ہے۔ پورا شعر یوں ہے:

چہ خوش بودی اگر بودی زبانش در دہان من زبان یار من ترکی و من ترکی نہ می دانم

یعنی کیا ہی اچھا ہوتا اگر اُس کی (میرے محبوب کی) زبان میرے منہ میں ہوتی (یعنی ہم ایک ہی زبان میں بات کرتے اور اس طرح ایک دوسرے کی بات سمجھتے) لیکن حال یہ ہے کہ میرے محبوب کی زبان تو ترکی ہے اور میں ترکی سے ناواقف ہوں۔

جیسا کہ مصرع کے سیاق وسباق سے ظاہر ہے یہ جملہ اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب مخاطب کی بات آپ کی سمجھ میں نہ آ رہی ہو یا اس کا طریق استدلال آپ کی فہم سے بالاتر ہو۔ ایسی صورت میں نہ تو دوسرا ہی آپ کی بات سمجھتا ہے اور نہ آپ ہی اس کا مطلب سمجھ سکتے ہیں جیسے دونوں اپنا مافی الضمیر الگ الگ زبانوں میں ادا کر رہے ہوں۔

(۸۰) حسن زبصرہ، بلال از حبش، صہیب از روم
زخاکِ مکہ ابو جہل! ایں چہ بوالعجبی ست؟

(حافظ شیرازی)

یعنی حسن بصری (جیسے صاحب دل) تو بصرہ میں پیدا ہوئے، (اسلام کے پہلے موذن اور حضور ﷺ کے عظیم المرتبت صحابی) بلال حبش کی سرزمین سے اُٹھے جبکہ صہیب رومی (ایسے جلیل القدر صحابی) روم میں پیدا ہوئے۔ لیکن یہ کیا ستم ظریفی ہے کہ خود مکہ معظمہ کی مقدس سرزمین سے ابو جہل جیسا شخص پیدا ہوا؟ اس شعر کا محل استعمال اس کے معنی سے ظاہر ہے۔

(۸۱) جوابِ جاہلاں باشد خموشی

(جاہلوں کا جواب خاموشی ہوا کرتا ہے)

سچ تو یہ ہے کہ جاہلوں کا جواب سوائے خاموشی کے اور کچھ ہو بھی نہیں سکتا ہے۔ ایسے لوگوں سے بحث کرنا بھینس کے آگے بین بجانے کے مترادف ہے۔ عام بات چیت ہو یا کسی محفل میں گفتگو، جاہلوں سے سر مارنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا ہے اور خاموش رہ کر آپ اپنی اور دوسروں کی عزت بھی محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ جواب جاہلاں باشد خموشی اپنے مخاطب سے براہ راست آپ نہیں کہیں گے! ہاں دل ہی دل میں یا بعد میں کسی صاحب عقل و فہم شخص سے اس کم سواد گفتگو کا ذکر کرتے ہوئے کہا جا سکتا ہے۔

(۸۲) ایں ہم اندر عاشقی بالائے غم ہائے دگر

(یہ بھی دوسرے تمام غموں کے ساتھ عاشقی کا ہی حصہ ہے)

اس مصرع کے مختلف محل استعمال ہو سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر آپ نے کسی کام کی ذمہ داری لی ہے اور اس کی پیروی کے سلسلہ میں بہت سی غیر ضروری باتیں بھی برداشت کرنا پڑ رہی ہیں تو آپ یہ کہہ کر کہ ایں ہم اندر عاشقی بالائے غم ہائے دگر خود کو تسلی دے لیتے ہیں۔ اسی پر اور صورتوں کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔

(۸۳) خس کم جہاں پاک

(گھاس کوڑا کم ہوا، چ لیجے دنیا تو پاک ہوگئی)

اس فقرہ کا استعمال بہت عام ہے اور کسی توضیح و تشریح کا محتاج نہیں ہے۔

(۸۴) آفاقہا گردیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

(میں نے ساری دنیا دیکھی ہے لیکن تو کچھ اور ہی چیز ہے)

یہ فقرہ عموماً کسی شخص کی تعریف میں مبالغہ کے لیے بولا جاتا ہے کہ میں نے سارا جہان کھنگال ڈالا لیکن آپ جیسی خصوصیات والا کوئی اور شخص کہیں نظر نہیں آیا۔ اسی جملہ کو بعض اوقات طنزاً کسی شخص کی تنقیص میں بھی استعمال کیا جا سکتا ہے لیکن تو چیزے دیگری میں تعریف کا جو پہلو پوشیدہ ہے وہ ایسے استعمال کی اجازت مشکل سے ہی دیتا ہے۔

(۸۵) معشوق ما بہ شیوۂ ہر کس موافق است
با ما شراب خورد وبا زاہد نماز کرد

(ہمارا معشوق ہر طرح کے آدمی سے گھل مل لیتا ہے۔ اس نے ہمارے ساتھ بیٹھ کر شراب پی اور زاہد کے ساتھ مل کر نماز بھی پڑھ لی)

ایسے شخص کو جو ہر ایک سے گھل مل جائے اور جس کا اپنا کوئی نقطۂ نگاہ نہ ہو اردو محاورہ میں تھالی کا بینگن کہا جاتا ہے۔ بینگن گول ہونے کی وجہ سے تھالی کے ڈھال کا پابند ہوتا ہے اور جس رخ بھی ڈھال ہوتا ہے اسی جانب چلا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات انسان کے لیے ایک عیب ہے اور اسی کا ذکر شعر کا موضوع ہے۔ محل استعمال مطلب سے واضح ہے۔

(۸۶) بر مزارے ماغریباں نے چراغے نے گلے
نے پر پروانہ سوزو، نے صدائے بلبلے

(ہم غریبوں کے مزار پر نہ تو کوئی چراغ ہی روشن کرتا ہے اور نہ ہی کوئی پھول چڑھاتا ہے۔ اس لیے ہمارے مزار پر نہ تو پروانہ ہی آ کر اپنے پر جلاتا ہے اور نہ ہی بلبل اپنے پرسوز نغمے سناتی ہے)

یہ شعر اپنی بے بسی اور غربت کے اندوہ ناک اظہار کے لیے استعمال کیا جاتا ہے کسی تشریح کا محتاج نہیں ہے۔

(۸۷) زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز

(اگر زمانہ تیرے ساتھ سمجھوتہ نہ کرے تو اس کے ساتھ تو خود سمجھوتہ کر لے)

زمانہ سے لڑ کر سکون سے زندہ رہنا بہت مشکل ہے۔ انسان کو ہر وقت دوسروں سے کام اور واسطہ پڑتا ہے اور وہ بہت سی ضروریات کے لیے دوسروں کا محتاج ہے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ زمانہ سے سمجھوتہ کر کے گزر بسر کر لی جائے۔ گویا یہ فقرہ ایک انسانی ضرورت کی جانب اشارہ کرتا ہے اور ایسے ہی موقعوں پر استعمال بھی ہوتا ہے جب کسی کو حالات کا صحیح احساس دلانے کی

ضرورت ہو۔

(۸۸) زمانہ با تو نہ سازد تو باز مانہ ستیز

(اگر زمانہ تیرے ساتھ سمجھوتہ نہ کرے تو اس کے ساتھ تو جنگ کر)

یہ جملہ اوپر کے فقرہ کا بالکل ہی مخالف ہے۔ جہاں وہ زمانہ سے سمجھوتہ کی صلاح دیتا ہے وہیں یہ تاکید کرتا ہے کہ زمانہ سے سمجھوتہ کرنے کی نہیں بلکہ اس سے جنگ کرنے کی ضرورت ہے۔ کچھ لوگ ہوتے ہیں جو اپنے اصولوں میں اتنے سچے اور اپنے حالات سے ایسے مطمئن ہوتے ہیں کہ ان کو زمانہ کی کوئی پروا نہیں ہوتی ہے۔ وہ اپنے اصولوں کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی کے لیے تیار رہتے ہیں۔ زمانہ سے یہ دعوت جنگ ایسے ہی لوگوں کے عزم و ہمت کی آئینہ دار ہے۔

فارم حسب قاعدہ ۲۰۰۷ء

بابت کتاب نما، نئی دہلی ۔ ۲۵

۱ مقام اشاعت: جامعہ نگر، نئی دہلی ۔ ۲۵

۲ وقفہ اشاعت: ماہنامہ

۳ پرنٹر کا نام: اے۔قدیر، خاں ہندوستانی

پتہ: جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

۴ پبلشر کا نام: اے۔قدیر خاں

پتہ: جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

۵ اڈیٹر کا نام: سید ہمایوں ظفر زیدی

مالکان کا نام اور پتے:

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی ۔ ۲۵

۶ چیئرمین کا نام: پروفیسر مشیر الحسن

وی سی لاج، جامعہ نگر نئی دہلی ۔ ۲۵

۱ ڈائرکٹر: تیزون خورا کی والا

18 ۔ بی بل وی ڈیئر کورٹ سین گرو جی مارگ مہالکشمی ممبئی ۔ ۱۱

۲۔ خواجہ محمد شاہد، ایم ۵ ۔ ۲۷، نیتا جی نگر، نئی دلی ۲۳

۳۔ صدیق الرحمان قدوائی۔ باغ شفیق، جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

کمپنی کے سرمایے کے ایک فیصد سے زیادہ کے حصے دار

جامعہ ملیہ اسلامیہ جامعہ نگر، نئی دہلی ۔ ۲۵

اسلام جیم خانہ کینیڈی سی فیس، ممبئی ۷

میں اے۔قدیر خان تصدیق کرتا ہوں کہ مذکورہ بالا اطلاعات میرے علم و یقین کے مطابق درست ہیں۔

مارچ ۲۰۰۷ء

دستخط،

اے۔قدیر خان

ڈاکٹر انور ظہیر انصاری
شعبۂ اردو
ایم ایس یونیورسٹی، بڑودہ

ساحر لدھیانوی کی فلمی شاعری: تحقیقی وتنقیدی مطالعہ

فلمی شاعری کا معیار کم از کم بیسویں صدی کی چوتھی دہائی تک عام طور سے اس قدر پست تھا کہ اسے شاعری نہ کہہ کر سیدھے سیدھے تک بندی کہیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب فلموں پر ڈی این مدھوک اور پی ایل سنتوشی جیسے گیت کاروں کا غلبہ تھا اور جس طرح کے گیت لکھے جارہے تھے اس کے کچھ نمونے یہ ہیں:

گورے گورے او بانکے چھورے
کبھی میری گلی آیا کرو

چل چل رے نوجوان
چلو ساتھ چلیں ہم
دور تیرا گھر ہے اور تھکے پاؤں

مرے پیا گئے رنگون، کیا ہے وہاں سے ٹیلی فون
تمھاری یاد ستاتی ہے جیا میں آگ لگاتی ہے

میرا بلبل سو رہا ہے شور وغل نہ مچا

او جانے والے بالموا! لوٹ کے آ، لوٹ کے آ
جا میں نا تیرا بالموا، بے وفا، بے وفا

اِب کیا ہوگا؟
کن بیری بجن سچ بول رے
اِب کیا ہوگا؟

جب تم ہی چلے پردیس، لگا کر ٹھیس، او پیتم پیارے

دنیا میں کون ہمارا
ایک تھی لیلیٰ، ایک تھا مجنوں
ہوگئی پھر دونوں میں یوں یوں

ان دنوں گیت چونکہ فلموں کی کامیابی کے ضامن سمجھے جاتے تھے اور فلمیں بھی خالص تجارتی نقطۂ نظر سے بنائی جاتی تھیں۔ اس لیے برمحل ہوں کہ بے محل درجنوں گیت فلمائے جاتے تھے۔ لہٰذا گیت کار بھی دھنوں پر الفاظ بٹھا کر اپنا الو سیدھا کر لیتے تھے۔ اس سے ان کو کوئی سروکار نہیں تھا کہ ان گیتوں میں کوئی ڈھنگ کی بات بھی ہے یا نہیں؟ حالانکہ آرزو لکھنوی کے بعد نخشب جارچوی، جلال ملیح آبادی، ظفر راہی، شیون رضوی وغیرہ سنتوشی اور مدھوک جیسے شعرا کی تک بندیوں کے برخلاف اپنے نغموں کو ادبی شاعری سے قریب تر کرنے میں کوشاں تھے۔ تاہم مجموعی طور پر اسی طرح کی تک بندیاں عام تھیں۔ لیکن ۱۹۴۵ء کے بعد شاعروں کی جو کھیپ آئی اس نے عملی نغمہ نگاری کے دھارے کا رخ یکسر موڑ دیا بالخصوص مجروح سلطان پوری، شکیل بدایونی اور راجندر کرشن ایسے نغمہ نگاروں نے فلمی نغموں کو معیار و اعتبار دلانے میں اہم کردار ادا کیا۔ چنانچہ

آہیں نہ بھریں، شکوے نہ کیے
کچھ بھی نہ زباں سے کام کیا

گھبرا کے جو ہم سر کو ٹکرائیں تو اچھا ہو
بڑی مشکل سے دل کی بے قراری کو قرار آیا

کے بعد

جب دل ہی ٹوٹ گیا، ہم جی کے کیا کریں گے
غم دیے مستقل کتنا گھائل ہے دل، یہ نہ جانا
ہائے ہائے یہ ظالم زمانہ

کے ذریعہ زندگی کے ساتھ زمانہ بھی فلمی نغموں کا مرکزی کردار بن گیا۔

ان شعرا کے علاوہ پریم دھون اور شیلندر بھی تھے جو سنتوشی و مدھوک اور مجروح و شکیل کے بین بین چل رہے تھے۔ کم و بیش یہی زمانہ جاں نثار اختر، راجہ مہدی علی خان، کیفی اعظمی اور حسرت جے پوری کا بھی تھا اور یہی زمانہ ساحر لدھیانوی کی فلموں سے بھی وابستگی کا تھا جو "جاگ اٹھا

ہندوستان'' (آزادی کی راہ پر) کے بعد ''ٹھنڈی ہوائیں، لہرا کے آئیں'' (نوجوان ۱۹۵۰ء) سے ''لوگ عورت کو فقط جسم سمجھ لیتے ہیں۔'' (انصاف کا ترازو ۱۹۸۰ء) تک کم و بیش تیس سال کو محیط ہے۔ اور ان تیس برسوں میں انھوں نے دوہے، گیت، نظم، غزل اور ماہیا جیسے ہیئتی سانچوں میں زندگی اور سماج سے متعلق مختلف موضوعات کو سمیٹ لیا ہے۔

فلم نوجوان کی نظم ''ٹھنڈی ہوائیں لہرا کے آئیں'' کے بعد بازی کی نظم ''سنو گجر کیا گائے'' اور غزل ''تدبیر سے بگڑی ہوئی تقدیر بنالے'' نے ساحر کو یک گونہ اعتبار دلایا۔ پھر ''جیون کے سفر میں راہی'' (منیم جی)، ''جائیں تو جائیں کہاں'' (ٹیکسی ڈرائیور) ''پربتوں کے پیڑوں پر'' اور ''تم اپنا رنج و غم اپنی پریشانی مجھے دے دو۔'' (شگون)، ''میں نے چاند اور ستاروں کی تمنا کی تھی'' (چندر کانتا)، ''بستی بستی پربت پربت گاتا جائے بنجارا'' (ریلوے پلیٹ فارم)، ''یہ رات یہ چاندنی پھر کہاں'' (جال) ایسے نغموں نے ساحر کو صف اول کا نغمہ نگار بنادیا اور معیاری اور ادبی شاعری کا باضابطہ سلسلہ بھی شروع ہوا۔ مثال کے طور پر ''سن جا دل کی داستاں'' کی جگہ ''آجا آجا بالما'' بھی موزوں ہوسکتا تھا لیکن ساحر کی ادب نوازی اور جدت شعری نے اس طرح کی تک بندی سے باز رکھا اور دل کی داستان ایسی رمزیت اور ایمائیت کی بدولت یہ نغمہ تخلیقی شاعری کی سرحدوں تک پہنچ گیا۔ اس کے بعد پیاسا'' (۱۹۵۷ء) کے نغموں ''یہ دنیا اگر مل بھی جائے تو کیا ہے''، ''جنھیں ناز ہے ہند پر وہ کہاں ہیں''، ''تنگ آچکے ہیں کش مکش زندگی سے ہم''، ''جانے وہ کیسے لوگ تھے جن کے پیار کو پیار ملا''، کی زبردست اور بے پایاں مقبولیت نے پچھلی تمام روایتوں کو پس پشت ڈال دیا۔ حالانکہ ساحر کو ہمیشہ ایسے مواقع میسر نہیں آئے کہ اپنے خیالات و نظریات کا اظہار کرسکیں کیوں کہ فلمی نغموں میں سب سے بڑا مسئلہ مطالبات کا ہوتا ہے۔ مطالبہ فلم کی سچویشن کا، کرداروں کی نفسیات اور عوامی دلچسپی کا، فلم ساز اور موسیقار کا اور پھر گلوکار یا گلوکارہ کا۔ گویا اتنے مطالبوں اور مرحلوں سے گزر کر کوئی نغمہ منظر عام پر آتا ہے لیکن ان تقاضوں اور پابندیوں کے بعد بھی اپنے نغموں کو تک بندیوں سے محفوظ رکھنا اور دائرۂ ادب سے باہر نہ نکلنے دینا یقیناً حوصلے کی بات ہے لیکن یہ حوصلہ بھی مطالعہ و مشاہدے کے بغیر پیدا نہیں ہوتا اور ساحر ان چند شاعروں میں سے ہیں جنھوں نے اپنے نغموں کے ذریعہ اپنی ان صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کیا اور لوگوں کے دلوں پر اپنی فکری قوتوں کا سکہ جمادیا۔ چنانچہ کہہ سکتے ہیں کہ دل میں اٹھتے ہوئے درد کو زبان دینے کا ہنر ساحر کا خاصہ تھا۔

ساحر نے ابتداً آرزو و مجروح کی شعری روایت سے استفادہ ضرور کیا ہے تاہم اس دور کی شاعری میں ہلکے پھلکے رومانی نغموں کے ساتھ نئے امکانات کا طلوع بھی دیکھا جاسکتا ہے لیکن پیاسا کی مقبولیت نے ساحر کو اس مقام پر ضرور پہنچا دیا کہ وہ اپنی دل پسند فلمیں منتخب کر سکیں چنانچہ سنجیدہ نغمے ہوں یا مزاحیہ گیت، ساحر نے اپنے خیالات ونظریات کی پیش کش سے کبھی گریز نہ کیا مثلاً:

جھوٹے ٹکڑے کھا کے بڑھیا تپتا پانی پیتی تھی
مرتی ہے تو مرجانے دو، پہلے ہی کب جیتی تھی

جے ہو پیسے والوں کی، گیہوں کے دلاّلوں کی
ان کا حد سے بڑھا منافع کچھ ہی کم ہے ڈاکے سے
برسو رام دھڑاکے سے بڑھیا مرگئی فاقے سے

بانٹ کے کھاؤ اس دنیا میں بانٹ کے بوجھ اٹھاؤ
جس رستے میں سب کا سکھ ہو وہ رستہ اپناؤ
اس تعلیم سے بڑھ کر جگ میں کوئی نہیں تعلیم
کہہ گئے فادر ابراہیم

یہ اور ایسے بے شمار نغمے ہیں جن میں ساحر کا سماجی وطبقاتی شعور ان کی فکر سے ہم آہنگ ہوا ہے۔ حتیٰ کہ عشق و محبت سے مملو نغموں میں بھی یہ شعور جلوہ گر ہوا ہے۔ کہیں شکستہ دل انسان کی درد بھری پکار کی شکل میں اور کہیں انقلاب آفریں نغمات کی صورت اور اس مقام پر غم جاناں، غم زمانہ سے ہم آغوش ہوکر ایک وحدت بن گیا ہے:

زندگی صرف محبت نہیں کچھ اور بھی ہے
زلف و رخسار کی جنت نہیں کچھ اور بھی ہے
بھوک اور پیاس کی ماری ہوئی اس دنیا میں
عشق ہی ایک حقیقت نہیں کچھ اور بھی ہے

محبت کر تو لیں لیکن محبت راس آئے بھی
دلوں کو بوجھ لگتے ہیں کبھی زلفوں کے سائے بھی
ہزاروں غم ہیں اس دنیا میں اپنے بھی پرائے بھی

محبت ہی کا غم تنہا نہیں ہم کیا کریں
یہ دل تم بن کہیں لگتا نہیں ہم کیا کریں

اچھا نہیں ہوتا یوں ہی سپنوں سے کھیلنا
بڑا ہی کٹھن ہے حقیقتوں کو جھیلنا
دشمن ہیں پیار کے جب لاکھوں غم سنسار کے
دل کے سہارے کیسے پیار کریں

ان نغموں کی استعاراتی تنظیم نہ صرف ساحر کی انفرادی شناخت کی مظہر ہے بلکہ مسلسل قوافی حسن نغمگی اور موسیقیت کا سبب بھی بنا ہے اور رومان اور حقیقت کا امتزاج سماجی شعور کی حدوں سے جاملا ہے کیونکہ ساحر کے یہاں عاشق اور محبوب کے بجائے ستم ہائے حالات زیادہ ی ہیں اس لحاظ سے یہ نغمے ساحر کی عصری آگہی کی پہچان بن گئے ہیں۔ اس نوع کی مثالیں ر نغمہ نگاروں کے یہاں تلاش کی جا سکتی ہیں لیکن ساحر کی اسلوبی جدت اور ان کا زاویۂ نظر ان ب میں نمایاں دکھائی دے گا۔ مثلاً ایک ہی سچویشن پر لکھے گئے ان نغموں کے نقطۂ خیال اور انداز ن کا فرق ملاحظہ کیجیے۔

۱۔ کوئی ساغر دل کو بہلاتا نہیں
بے خودی میں بھی قرار آتا نہیں

شکیل بدایونی

رہا گردشوں میں ہر دم مرے عشق کا ستارا
کبھی ڈگمگائی کشتی، کبھی کھوگیا کنارا

شکیل بدایونی

دن ڈھل جائے ہائے رات نہ جائے
تو تو نہ آئے تیری یاد ستائے

شیلندر

ہوئی شام ان کا خیال آگیا
وہی زندگی کا سوال آگیا

مجروح سلطان پوری

کبھی خود پہ کبھی حالات پہ رونا آیا
بات نکلی تو ہر اک بات پہ رونا آیا

ساحرلدھیانوی

ب۔ تیری دنیا سے دور چلے ہو کے مجبور ہمیں یاد رکھنا
جاؤ کہیں بھی صنم تمھیں اتنی قسم ہمیں یاد رکھنا

پریم دھون

یاد میں تیری جاگ جاگ کے ہم رات بھر کروٹیں بدلتے ہیں
ہر گھڑی دل میں تیری الفت کے دھیمے دھیمے چراغ جلتے ہیں

شکیل بدایونی

مجھے تیری محبت کا سہارا مل گیا ہوتا
اگر طوفاں نہیں آتا کنارا مل گیا ہوتا

آنند بخشی

تم مجھے بھول بھی جاؤ تو یہ حق ہے تم کو
میری بات اور ہے میں نے تو محبت کی ہے

ساحرلدھیانوی

اسی طرح ساحر نے اپنی پوری فلمی شاعری میں روایتی لب اور لہجہ اختیار کرتے ہوئے کسی بھی مقام پر محبوب کو ہدفِ ملامت نہیں بنایا۔ حالانکہ عشق کے مضمون میں اردو شاعری میں محبوب کا تصور عموماً بے وفا کا رہا ہے۔ وجہ خواہ کوئی بھی ہو۔ ساحر کی انفرادیت یہ ہے کہ انھوں نے دوسرے شعرا کی طرح کسی بھی مقام پر محبوب کو بے وفا قرار دے کر کبھی بد دعائیں نہیں دیں اور نہ دل برا کیا۔ ساحر کے نغموں کا یہ ایک اضافی پہلو یہ ہے کہ ان کے یہاں بے وفا عاشق یا محبوب نہیں بلکہ زمانہ ہے۔ اس تناظر میں فکر و اسلوب کی تفریق ہی میرے خیال کی تصدیق ہے:

او بے وفا ترا بھی یوں ہی ٹوٹ جائے دل
تو بھی تڑپ تڑپ کے پکارے کہ ہائے دل
تیرا بھی سامنا ہو کبھی غم کی شام سے
گزرے ہیں آج عشق میں ہم اس مقام سے

شکیل بدایونی

کیا سے کیا ہوگیا بے وفا تیرے پیار میں
چاہا کیا ملا کیا بے وفا تیرے پیار میں

شیلندر

پتھر کے صنم تجھے ہم نے محبت کا خدا جانا
بڑی بھول ہوئی ارے ہم نے یہ کیا سمجھا یہ کیا جانا

مجروح سلطان پوری

میرے دشمن تو میری دوستی کو ترسے
مجھے غم دینے والے تو خوشی کو ترسے

آنند بخشی

چلو اک بار پھر سے اجنبی بن جائیں ہم دونوں
جانے وہ کیسے لوگ تھے جن کے پیار کو پیار ملا
ہم نے تو جب کلیاں مانگیں کانٹوں کا ہار ملا
میں نے چاند اور ستاروں کی تمنا کی تھی
مجھ کو راتوں کی سیاہی کے سوا کچھ نہ ملا

دو دن تم نے پیار جتایا دو دن تم سے میل رہا
اچھا خاصا وقت کٹا اور اچھا خاصا کھیل رہا
اب اس کھیل کا ذکر ہی کیسا وقت کٹا اور کھیل تمام
میرے ساتھی خالی جام

ساحر لدھیانوی

بایں ہمہ ساحر چکلے پر فلمائے جانے والے نغموں کو ''انہی لوگوں نے لے لی نا دوپٹا میرا'' یا ''نجر لاگی راجا تورے بنگلے پر'' یا پھر ''میں طوائف ہوں مجرا کروں گی'' کے انداز میں بھی پیش کر سکتے تھے لیکن ان کا شعور بیدار اور متحرک تھا اور وہ سماج کی حقیقتوں اور عورتوں کی مصیبتوں کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ حالانکہ اس موضوع پر بھی اکثر نغمہ نگاروں نے اپنی قوت فکر کا مظاہرہ کیا ہے لیکن ساحر کے نغموں:

عورت نے جنم دیا مردوں کو مردوں نے اسے بازار دیا

اور جسے تو قبول کرلے یا کھوجی تم کیا کیا خریدو گے

کے مدمقابل میرے خیال میں کیفی اعظمی کا یہ نغمہ

آج ہم اپنی دعاؤں کا اثر دیکھیں گے
تیر نظر دیکھیں گے زخم جگر دیکھیں گے

ہی رکھا جاسکتا ہے۔ ان میں عورتوں کے تقدس کی پامالی اور اس کے تہذیبی و سماجی استحصال کے خلاف احتجاج کا شدید رویہ بھی ملتا ہے اور ان کی شکستہ آرزوؤں اور نفسیاتی پیچیدگیوں کا سراغ بھی۔

فلموں کے تعلق سے ساحر کی انفرادیت یہ بھی ہے کہ انھوں نے اپنی متعدد نظموں اور غزلوں کو بعینہ یا تھوڑی کتر بیونت کے بعد فلموں کا حصہ بنا دیا اور میری تحقیق کے مطابق کم از کم دس نظمیں اور چار غزلیں ایسی ہیں جو فلمی سچویشن میں ڈھل کر عوامی فکر و ذہن کا حصہ بن گئی ہیں۔ اس سلسلہ میں مجروح اور کیفی کی ایک ایک تخلیق اور شکیل کی صرف ایک غزل کا حوالہ ملتا ہے جو بالترتیب ''ہم ہیں متاع کوچہ و بازار کی طرح''، ''ہو کے مجبور مجھے اس نے بھلایا ہوگا''، اور ''رہا گردشوں میں ہردم'' ہیں۔ جہاں تک موضوعات کا تعلق ہے ساحر نے فلمی سچویشن کے مدنظر تقریباً تمام موضوعات پر نغمے لکھے ہیں ان میں جن موضوعات کا ذکر خصوصیت سے آئے گا۔ وہ تصور حسن و عشق، نظریہ انسان، فلسفہ حیات اور تصور وقت سے متعلق ہیں۔ انہی موضوعات میں وہ تمام مضامین شامل ہیں جو انسانی زندگی سے کسی نہ کسی شکل میں وابستہ ہیں جن کی ترجمانی میں ساحر نے حسب موقع و ضرورت اپنے نظریات کو بھی پیش کیے ہیں مثلاً

پاؤں چھو لینے دو پھولوں کو عنایت ہوگی، کون آیا کہ نگاہوں میں چمک جاگ اٹھی، یہ عشق عشق ہے عشق عشق، یہ وادیاں یہ فضائیں بلا رہی ہیں تمھیں، نیلے گگن کے تلے، پربتوں کے پیڑوں پر، تو را من درپن کہلائے، نہ منہ چھپا کے جیو، سنسار سے بھاگے پھرتے ہو، ہر فکر کو دھوئیں میں، آگے بھی جانے نہ تو، وقت سے دن اور رات، اللہ تیرو نام، تو ہندو بنے گا نہ مسلمان بنے گا، بابل کی دعائیں لیتی جا، رنگ اور نور کی بارات، بچے من کے سچے، چلو ایک بار پھر سے اور رات بھر کا ہے مہمان اندھیرا جیسے نغمے نہ صرف ساحر کی ادب نوازی اور برجستگی کی پہچان ہیں بلکہ ان کی ذہنی بیداری اور فکری بوقلمونی کے مظہر بھی ہیں۔ اس لحاظ سے اردو شاعری ساحر کی ممنون احسان ہے کہ ان کی بدولت اسے نہ صرف اردو گھرانوں میں احترام حاصل ہوا بلکہ ان گھرانوں میں بھی

سر آنکھوں پر بٹھایا گیا جہاں اردو کا قطعاً گزر نہیں تھا اور ساحر کی عظمت کا راز بھی شاید یہی ہے کہ ہر طبقے اور ہر مسلک کے لوگوں نے ان کی پذیرائی کی کیوں کہ اردو زبان وادب نے اگر ایک طرف مشاعروں کے ذریعہ عوام سے اپنی رشتہ استوار کیا ہے تو دوسری جانب فلمی نغموں کے ذریعہ کروڑوں لوگوں کے دلوں میں اپنا سکہ بٹھایا ہے۔

ساحر کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ انھوں نے سکہ بند موسیقاروں مثلاً نوشاد، انل بسواس، شنکر جے کشن اور ایس ڈی برمن (۱۹۵۷ء کی فلم پیاسا تک ہی ساتھ رہا) کے بجائے تجارتی لحاظ سے چھوٹے مگر قابل موسیقاروں کو ترجیح دی پھر بھی ان کے نغموں کی عظمت میں فرق نہیں آیا بلکہ موسیقاروں کو بھی شہرت وثروت نصیب ہوئی۔ مثال کے طور پر اس قبیل کے نغمے

روشن	زندگی بھر نہیں بھولے گی وہ برسات کی رات، جو وعدہ کیا وہ نبھانا پڑے گا، ہم انتظار کریں گے ترا قیامت تک، لاگا چنری میں داغ، من رے تو کاہے نہ دھیرے دھیرے، نہ تو کارواں کی تلاش ہے۔
او پی نیر	مانگ کے ساتھ تمھارا میں نے مانگ لیا سنسار، جسے تو قبول کرلے وہ ادا کہاں سے لاؤں، ساتھی ہاتھ تو بڑھانا، یہ دیس ہے ویر جوانوں کا، عورت نے جنم دیا مردوں کو
مدن موہن	رنگ اور نور کی بارات کسے پیش کروں، کوئی پتھر سے نہ مارے مرے دیوانے کو
این دتا	تو ہندو بنے گا نہ مسلمان بنے گا، دامن میں داغ لگا بیٹھے، ترے پیار کا آسرا چاہتا ہوں۔
لکشمی کانت	نہ تو زمیں کے لیے ہے نہ آسماں کے لیے، ایک چہرے پہ کئی چہرے لگا لیتے ہیں لوگ
پیارے لال	یہ دل تم بن کہیں لگتا نہیں ہم کیا کریں۔
خیام	پربتوں کے پیڑوں پر، وہ صبح کبھی تو آئے گی، میں پل دو پل کا شاعر ہوں، تم اپنا رنج وغم اپنی پریشانی مجھے دے دو، کبھی کبھی مرے دل میں خیال آتا ہے،
جے دیو	ہر فکر کو دھوئیں میں اڑاتا چلا گیا، اب کوئی گلشن نہ اجڑے اب وطن آزاد ہے، اللہ تیرو نام ایشور تیرو نام، تیرے بچپن کو جوانی کی دعا دیتی ہوں۔

یہ تمام موسیقار شہرت میں ظاہر ہے کسی سے کم نہیں ہیں لیکن ان کی حیثیت درجہ دوم کے موسیقاروں میں ہی تھی۔ لیکن ساحر کا طویل ترین سلسلہ موسیقار روی کے ساتھ رہا ان کی شراکت میں گمراہ، وقت، ہمراز، آدمی اور انسان، دھند، آنکھیں، نیل کمل، کاجل، دوکلیاں، آج اور کل، من

کی آنکھیں ایسی مشہور زمانہ فلمیں منظر عام پر آئیں۔ یہ نغمے ساحر کے اس خیال کی تصدیق بھی کرتے ہیں کہ اچھی شاعری، موسیقی کی محتاج نہیں بلکہ موسیقی اس کے حسن میں نکھار پیدا کرنے کا کام کرتی ہیں مثلاً تمھاری نظر کیوں خفا ہوگئی ہے، ملتی ہے زندگی میں محبت کبھی کبھی، چہرے پہ خوشی چھا جاتی ہے، زندگی کے رنگ کئی رے، سنسار کی ہر شے کا اتنا ہی فسانہ ہے، نہ منہ چھپا کے جیو، چھو لینے دو نازک ہونٹوں کو، تجھ کو پکارے میرا پیار، دل کہے رک جا رک جا، یہ وادیاں یہ فضائیں بلا رہی ہیں تمھیں، زندگی اتفاق ہے، اور آگے بھی جانے نہ تو، ایسے نغمے ہیں جو فلمی بندشوں کے باوجود اپنے ادبی مزاج اور فنی حسن کے اعتبار سے بے مثل ہیں۔ بایں ہمہ ساحر کا امتیاز صرف یہ نہیں ہے کہ انھوں نے فلمی نغموں میں ادبی معیار کو برقرار رکھا ہے بلکہ ان کا امتیاز یہ بھی ہے کہ انھوں نے فلمی نغموں کو سماجی حقائق اور عصری مسائل سے بھی وابستہ کیا ہے ورنہ ساتویں دہائی یا اس کے بعد بھی جب کہ ادبی شاعری کا غلبہ تھا '' آپ کا چشمہ آپ کی ٹوپی اللہ ہی اللہ، مولا ہی مولا'' اور '' شکر کرو کہ پڑے نہیں ہیں میری ماں کے ڈنڈے'' کے باوجود اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو رکاکت یا ابتذال سے بچائے رکھنا اور زندگی سے بھرپور نغمے پیش کرنا بجائے خود زندہ شاعری کی پہچان ہے اور ساحر نے یہ پہچان برقرار رکھی تھی۔ ڈاکٹر محمد ذاکر کا یہ خیال اسی حقیقت پر دال ہے کہ ساحر کے گیتوں کا ترقی پسند مواد اور ان کا انداز بیان انھیں آسانی سے دوسرے گیت نگاروں سے ممتاز کر دیتا ہے۔ ہجر و وصال کے مضامین میں بھی ان کا اپنا رنگ الگ پہچانا جاتا ہے (آزادی کے بعد ہندوستان کا اردو ادب ص ۲۲۹)، فنی نقطۂ نظر سے بھی غور کریں تو ساحر نے یہاں لفظی و معنوی صنعتوں، متحرک تشبیہوں اور روزمرہ محاوروں کے استعمال سے اپنے نغموں کی مرصع کاری کی ہے وہاں ان کی انفرادیت یہ بھی ہے کہ انھوں نے حتی المقدور قافیوں کی تکرار سے اپنے اکثر نغموں میں موسیقی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے یعنی ایک سے زائد قوافی کے برمحل استعمال سے نغموں کو سنوارنے اور نکھارنے کا کام کیا ہے۔

ساحر اس لحاظ سے بھی اپنے ہم عصروں میں ممتاز قرار پائیں گے کہ وہ پہلے نغمہ نگار شاعر ہیں جنھوں نے اپنے فلمی گیتوں کا مجموعہ گاتا جائے بنجارا کے نام سے شائع کیا اور ظاہر ہے یہ جرأت وہی شاعر کر سکتا ہے جسے اپنی شعری صلاحیتوں کا احساس ہو اور جس نے فلمی نغموں کو بھی بہ طور ایک شعری صنف کے اپنایا ہو۔ ساحر کے علاوہ یہ اعزاز صرف شکیل اور کیفی کو حاصل ہے۔ جنھوں نے '' دور کوئی گائے'' اور '' میری آواز سنو'' کے نام سے اپنے نغموں کا مجموعہ شائع کیا ہے۔ اخیر میں

ساحر کے تعلق سے یہ بھی عرض کرنا چاہوں گا کہ ساحر صرف ایک نغمہ نگار ہی نہیں تھے بلکہ ایک مقبول و معروف ترقی پسند شاعر بھی تھے اور علی سردار جعفری، مجروح سلطانپوری، کیفی اعظمی، جاں نثار اختر، اور اختر الایمان ایسے نابغۂ روزگار شعراء کے ہم عصروں میں سے تھے۔ اسی کے ساتھ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ فلموں تک کا سفر ساحر کا محض ایک ماندگی کے وقفہ کی طرح نہیں تھا، بلکہ مستقل ایک مستقر تھا اور اسی مستقر پر انھوں نے ایسی شاعری کی بنا ڈالی جو فلموں کی روایتی شاعری کے مماثل ہونے کے ساتھ ساتھ جدید شعری تجربات، تازہ کار فکر و خیال اور اسلوبی جدت سے ہم رشتہ تھی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ساحر اس راہ کے تنہا مسافر تھے بلکہ مجروح، شکیل، راجہ، کیفی، جاں نثار، راجندر کرشن، شیلندر، حسرت جے پوری، آنند بخشی، ایس ایچ بہاری اور گلزار ایسے بے شمار شعراء اور گیت کار اس کارواں میں شامل تھے لیکن ساحر نے اپنی الگ ڈگر قائم کی اور اپنے نقش قائم کرتے ہوئے گزرے حالانکہ فی زمانہ ان نقوش کی تلاش بے سود ہے لیکن کچھ تو ندا فاضلی اور زیادہ تر جاوید اختر نے جدید شعری رویوں کا پاس رکھا ہے اور فلمی نغموں کو ادبی اعتبار بخشا ہے اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے ورنہ آج کے بیشتر نغموں پر سر دھننے کی بجائے سر پیٹنے کو جی چاہتا ہے۔

مجتبیٰ حسین
502, Maphar Regency
A.C. Guards, Hyderabad.

شری سے پدم شری تک

ہم اب تک شری تھے، پچھلے ہفتہ اچانک پدم شری بن گئے۔ یہ اور بات ہے کہ شری سے پدم شری تک کا سفر طے کرنے میں پورے ستر برس لگ گئے۔ اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ ہمارے شری بن جانے کا اعزاز قدرت کا دیا ہوا تھا جب کہ پدم شری کا انعام سرکار کا عطا کردہ ہوتا ہے اور سرکار کے کاموں میں جو دیر ہوتی ہے اور جتنی دفتریت ہوتی ہے اس کی زندہ مثال (فی الحال) ہم خود ہیں۔ یوں بھی سرکاری کاموں میں ہونے والی تاخیر کا کوئی باعث تاخیر بالکل نہیں ہوتا۔ بس یونہی تاخیر ہو جاتی ہے کیونکہ اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں۔ بہر حال پچھلے ہفتہ ہم نے بنا سوچے سمجھے ''پدم شری'' کا اعزاز قبول تو کر لیا لیکن اسے قبول کرنے کے بعد ہمیں اندازہ ہوا کہ ہم تو اس اعزاز کے سلسلے میں وصول ہونے والی مبارک بادیوں اور احباب کی نیک تمناؤں تک کو قبول کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ اس لیے کہ اب ہمارے قویٰ مضمحل ہو چکے ہیں اور اب عناصر میں وہ اعتدال باقی نہیں رہا۔ ادھر ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی ہے تو ادھر دروازے کی گھنٹی بھی بجنے لگتی ہے۔ ادھر جاتا ہے دیکھیں یا ادھر آتا ہے پروانہ والا معاملہ ہے۔ بلا مبالغہ پچھلے پانچ دنوں میں سیکڑوں ہی نہیں بلکہ ہزاروں ٹیلی فون کال آ چکے ہیں۔ گھر کا دروازہ اتنی بار کھلا اور بند ہو چکا ہے کہ پچھلے تین برسوں میں بھی کھلا اور بند نہیں ہوا ہوگا۔ لوگ کہتے ہیں یہ ہماری بے مثال مقبولیت کی دلیل ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ یہ ہماری مقبولیت کی نہیں بلکہ ہماری نا معقولیت اور نا اہلیت کی دلیل ہے۔ زندگی کے ستر برس گزار دینے کے باوجود ہم اس کے اہل نہ ہو سکے کہ گھر میں ٹیلی فون کے دو آلے ہی لگوا لیتے یا دو تین افراد پر مشتمل ایسا عملہ ہی رکھ لیتے جو آنے والی مبارکبادیوں اور نیک تمناؤں کو سلیقہ سے نپٹا اور ٹال سکے۔ آدمی مقبول ہو مگر غریب ہونے کے علاوہ اوپر سے لنگڑا بھی ہو تو اسے پدم شری کا اعزاز قبول کرنے سے پہلے اچھی طرح سوچ بچار کر لینا چاہیے۔ اب کہیں جا کر ہم پر یہ عقدہ کھل رہا ہے کہ ''قبول کیا میں نے'' کا جملہ ادا کر کے

آدمی کتنی آزمایشوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ پچاس برس پہلے بھی یہی جملہ کہہ کر ہم نے ایک ازدواجی اعزاز حاصل کیا تھا جس کے نتائج اور بڑھتی ہوئی ذمہ داریوں سے اب تک جیسے تیسے عہدہ برآ ہوتے چلے جارہے ہیں اور اب پھر یہی جملہ ادا کر کے ہم نے ایک سماجی اعزاز کو حاصل کر لیا ہے۔ یقین مانیے پچھلے پانچ دنوں میں ہمارے ٹیلی فون کو ایک منٹ کی بھی فرصت نہیں ملی۔ انواع واقسام کے جذباتِ محبت اور نیک تمناؤں کے گرم جوشانہ اظہار کے باعث ٹیلی فون کا آلہ بار بار گرم ہو جاتا ہے۔ وقفہ وقفہ سے کبھی ہماری پیشانی پر اور کبھی ٹیلی فون کے آلے پر برف میں بھگوئی ہوئی پٹیاں ڈالنی پڑ رہی ہیں۔ پھر بھی کئی قریبی احباب کے جذبات تہنیت ہزاروں میل دور ٹیلی فون کے دوسرے سرے پر ہماری آواز کو سننے کے منتظر ہیں۔ حد ہو گئی کہ ہمدم دیرینہ حسن چشتی، جو ہر دوسرے تیسرے دن عادتاً بلکہ بلا وجہ ہی اپنی نیک تمنائیں امریکہ سے ہم تک پہنچاتے رہتے ہیں، چار دنوں تک فون پر ہم سے رابطہ قائم نہ کر سکنے کے بعد اپنا ایک بیان اخبار میں چھپوا کر اپنے جذبات تہنیت ہم تک پہنچانے پر مجبور ہو گئے۔ ہائے رے انسان کی مجبوریاں۔ بہر حال ''پدم شری'' کے ملنے پر ہمیں یاد آیا کہ 1993ء میں سرکار نے ''پدما ایوارڈس'' کے سلسلے کو عارضی طور پر روک دیا تھا۔ اس اطلاع پر ہم بے حد خوش تھے کہ جو ایوارڈ ہمیں کبھی نہیں مل سکتا وہ بھلا دوسروں کو کیوں ملے۔ مگر جب 1998ء میں ان ایوارڈس کو دوبارہ شروع کرنے کا فیصلہ کیا گیا تو ایک دن ہمارے دیرینہ کرم فرما جاب عابد حسین، سابق ہندوستانی سفیر متعینہ امریکہ کا فون آیا کہ ہم فوراً اپنا بائیوڈاٹا ان کے پاس روانہ کریں۔ عابد بھائی ہمارے بزرگ ہیں لہٰذا ان سے یہ پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ بائیوڈاٹا کیوں منگوا رہے ہیں۔ کچھ دن بعد ملے تو خود ہی بولے ''میں نے تمھارا نام پدم شری ایوارڈ کے لیے پیش کیا تھا مگر ایک تدریسی نقاد کی رائے تھی کہ تم تو صرف ہلکے پھلکے چٹکلے لکھتے رہتے ہو۔ پدم شری جیسے باوقار ایوارڈ سے چٹکلوں کا کیا تعلق؟''۔ ہم نے کہا ''عابد بھائی! آپ کی خواہش اپنی جگہ درست ہے اور تدریسی نقاد کی رائے بھی بالکل حق بجانب ہے لیکن اب یہ تو نہیں ہو سکتا کہ نقاد کی رائے کی روشنی میں میں ایسے چٹکلے لکھنے لگوں جنھیں پڑھنے کے بعد لوگ دہاڑیں مار کر زار و قطار رونے لگیں۔ پدم شری ایوارڈ کا وقار اپنی جگہ لیکن میری مزاح نگاری کا وقار بھی، چاہے وہ کتنا ہی حقیر کیوں نہ ہو، میرے لیے اہم ہے۔ عابد بھائی! میری ایک گزارش یہ ہے کہ آپ میری محبت میں کم از کم ایسے لوگوں سے بالکل بات نہ کریں جن سے آپ کا شخصی وقار مجروح ہوتا ہو''۔ ہم نے اپنی بات تو کہہ دی لیکن عابد بھائی اپنی بات پر ڈٹے رہے۔ ہمارے کرم فرما محترم اندر کمار گجرال نے بھی کئی برس پہلے جب رام کرشنا ہیگڑے کرناٹک کے وزیر اعلیٰ تھے، یہ سوچ کر

کہ ہماری پیدائش کرناٹک کی ہے، خط لکھا تھا کہ وہ اپنی ریاست سے ہمارا نام پدم شری ایوارڈ کے لئے پیش کریں۔ وہاب عندلیب نے بتایا تھا کہ کچھ لوگ ان کے پاس ہمارے موجودہ محل وقوع اور سابقہ حدود اربعہ کے بارے میں پوچھتے ہوئے آئے تھے۔ ہم اس وقت بھی حسب معمول بے تعلق اور بے نیازی ہی رہے۔ پھر 2004ء میں جب ہماری حالت اور حالات کچھ ایسے ہو گئے کہ ہمیں ضرورتاً حیدرآباد میں زیادہ سے زیادہ رہنے پر مجبور ہو جانا پڑا تو ہم چپ چپاتے بلکہ چوری چھپے دہلی میں کسی کو بتائے بغیر حیدرآباد میں زیادہ رہنے لگے۔ بس اتنی سی بات پر دہلی والوں نے واویلا مچا دیا خلیق انجم نے لکھا کہ ہم دہلی کو سونی کر کے چلے گئے کہ شمیم حنفی نے کہا کہ تمھارے جانے سے اردو ادب کے ایوان کی وہ کھڑکی بند ہو گئی جس سے ہم اردو کے اہل قلم کا تماشا دیکھا کرتے تھے۔ مظہر امام نے کہا تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے (یہاں بہار سے مراد ریاست بہار ہے)۔ پروفیسر گوپی چند نارنگ نے 1983ء میں ایک جلسہ میں ہمارے دکن سے دہلی آنے کے واقعہ کو ولی دکنی کے دہلی آنے کے مماثل قرار دیا تھا۔ غرض جتنے منہ اتنی اچھی باتیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دہلی جیسے ظالم شہر نے ہمیں جتنا پیار دیا اتنا کسی شہر نے نہیں دیا۔ یہی وہ شہر ہے جہاں ہمارا کوئی اکا دکا حاسد تو ہو سکتا ہے لیکن دشمن کوئی نہیں۔ ہمارے دوست بلراج ورما نے بہت پہلے کہا تھا کہ جو شخص مجتبیٰ سے دشمنی کرے اس کے انسان ہونے پر شبہ کیا جا سکتا ہے اور اگر وہ انسان ہے بھی تو یقیناً ابنارمل انسان ہوگا۔ بہر حال ہم دہلی کے مقابلہ میں حیدرآباد میں زیادہ رہنے لگے تو دہلی کے احباب شکایت کرنے لگے کہ میاں سکندر دنیا سے خالی ہاتھ واپس تو جا سکتا ہے لیکن تمھارا دہلی سے خالی ہاتھ واپس جانا ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ تم نے لگ بھگ 35 برس دہلی میں ایسے گزارے جیسے ناخن گوشت کے ساتھ گزارتا ہے۔ اتنے گہرے روابط کے باوجود بھی تم نے اپنے لئے کچھ حاصل نہیں کیا۔ ہم نے انھیں سمجھایا بھی کہ ہم ایوارڈ کو حاصل کرنے کے نہیں بلکہ صرف قبول کرنے کے قائل ہیں۔ پھر دہلی نے ہمیں اتنا کچھ دیا ہے کہ اس کا بھی کھاتہ لکھنے بیٹھیں تو باقی ماندہ عمر اسی میں گزر جائے۔ دہلی والوں نے سوچا تھا کہ ہم تو اکثر دہلی کی سڑکوں پر ہی پائے جاتے ہیں۔ کسی بھی دن آواز دے کر ہمیں طلب کر لیں گے اور پدم شری کا اعزا پکڑا دیں گے کہ جا اسے گھر لے جا، تو بھی کیا یاد کرے گا۔ مگر جب ہم ضرورتاً حیدرآباد میں زیادہ رہنے لگے تو دہلی والوں کا ماتھا ٹھنکا۔ یوں بھی یہ ہمارا اور دہلی کا معاملہ ہے۔ آپ کون ہوتے ہیں بیچ میں بولنے والے۔ ہمارے احباب بھی عجیب ہیں۔ جب ہم دہلی میں نہیں رہتے تو ہماری کمی کو محسوس کرتے ہیں اور جب دہلی میں رہتے تو ہماری کمی کو محسوس کرتے ہیں اور جب دہلی میں رہتے ہیں تو ہمارے ہونے کی زیادتی کا

احساس دلاتے ہیں۔ مرکزی وزیر جناب سیف الدین سوز سے ہمارے ان دنوں کے مراسم ہیں جب وہ جموں وکشمیر ٹیکسٹ بک بورڈ کے سکریٹری تھے اور عملی سیاست میں نہیں آئے تھے۔ ایک حالیہ ملاقات میں کہنے لگے "جناب آپ کو پدم بھوشن تو غالباً مل چکا ہے۔" ہم نے کہا "آپ پدم بھوشن کی بات کرتے ہیں، ہمیں تو "بھارت رتن" تک مل چکا ہے"۔ انھوں نے خشمگیں نگاہوں سے ہماری طرف دیکھتے ہوئے کہا "اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کو ابھی تک پدم شری بھی نہیں ملا۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟" ہم نے کہا "یہ ہمارا نہیں آپ کا مسئلہ ہے"۔ آج جب ہم "پدم شری" بن گئے ہیں تو ہمیں "سیاست" کے بہت پرانے بہی خواہ خواجہ معین الدین کا وہ مراسلہ یونہی یاد آ گیا جو دس برس پہلے خود "سیاست" میں چھپا تھا جس میں انھوں نے نہ جانے کیوں اچانک حکومت سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ وہ ہمیں پدم شری بنادے۔ سچ پوچھیے تو ہمیں اب اپنے کتنے ہی احباب اور کرم فرمایاد آرہے ہیں جن کی عین خواہش تھی کہ ہمیں یہ اعزاز ملے۔ جیسے جی وینکٹ سوامی، ڈپٹی لیڈر کانگریس پارٹی (لوک سبھا) پی شیو شنکر، آنجہانی روڈا مستری، اودے پرتاپ سنگھ، نائب صدر نشین راجیہ سبھا، سلمان خورشید، ڈاکٹر اطہر فاروقی، شرودت، ڈاکٹر رام پرشاد، سید امتیاز الدین، حمایت اللہ، بیگم نفیس خاں، محمد میاں، شمیم حیدر ایڈوکیٹ اور محمد تقی وغیرہ۔ ہمیں شخصی طور پر اس بات کی خوشی ہے کہ 45 برس پہلے ہم نے روزنامہ "سیاست میں مزاحیہ نگاری کے ذریعے اپنے جس ادبی سفر کا آغاز کیا تھا اسے اب حکومت ہند نے بھی تسلیم کرلیا ہے روزنامہ "سیاست" سے ہمارا جو جذباتی تعلق ہے اسے ثابت کرنے کے لیے ہم کسی ایرے غیرے نتھو خیرے کے سامنے کوئی وضاحت پیش کرنے کو ضروی نہیں سمجھتے۔ تاہم آج ہمیں یہ کہتے ہوئے بے پناہ مسرت ہو رہی ہے کہ "سیاست" کے پہلے اڈیٹر جناب عابد علی خاں کو 1981ء میں پدم شری کا اعزاز ملا تھا اور آج پورے 25 برس بعد اس اخبار کے پہلے "قاری" کو اس اعزاز سے نوازا جارہا ہے۔ اطلاعاً عرض ہے کہ 15 راگست 1949ء کو جب "سیاست" کا پہلا شمارہ شائع ہوا تھا تو اسے لے کر محبوب حسین جگر مرحوم صبح پانچ بجے پریس سے حیدر گوڑہ کے گھر میں آئے تھے۔ سقوط حیدرآباد کے بعد ہم ان دنوں علی گڑھ میٹرک کے امتحان کی تیاری کے سلسلے میں جگر صاحب کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ وہ دن ہمیں اچھی طرح یاد ہے۔ جگر صاحب تو شیو کرنے اور غسل کرنے میں مصروف ہو گئے لیکن اس عرصہ میں ہم نے بڑے اشتیاق کے ساتھ "سیاست" کے پہلے شمارے کا مطالعہ کرکے اس کے پہلے قاری ہونے کا اعزاز حاصل کرلیا تھا۔ ہمیں اس بات کی بھی خوشی ہے کہ حکومت ہند نے پہلی بار مزاح نگاری کو ادب کے ایک سنجیدہ رجحان اور ایک اہم صنف کی حیثیت سے تسلیم کرکے کم ازکم

ادب کے میدان سے غریبی کو ہٹانے کی جانب پہلا مثبت قدم اٹھایا ہے۔
عزیز قارئین اہم ابھی تک مبارکبادیوں کو قبول کرنے کے جال میں گرفتار ہیں۔ کسی طرح ٹیلی فون کے ریسیور کو کچھ دیر ہٹا کر یہ چند سطریں بطور اظہار تشکر لکھ رہے ہیں۔ کیا کچھ لکھا ہے یہ بھی یاد نہیں۔ لیجیے جیسے ہی ٹیلی فون کا ہٹا ہوا ریسیور دوبارہ آلے پر رکھا ایک مزیدار صورت حال پیش آ گئی۔ آپ بھی سن لیجیے۔ فون کی گھنٹی بجی اور ہماری اہلیہ نے فون کا ریسیور اٹھایا تو ہمارے کسی مداح کی آواز آئی ''کیا پدم شری گھر پر ہیں؟'' ہمارے نصف بہتر نے کہا ''جی موجود ہیں مگر کام میں مصروف ہیں''۔ مدّاح نے پوچھا ''آپ کون بول رہی ہیں؟''۔ بے ساختہ مگر بے سوچے سمجھے بولیں ''جی میں، شریمتی پدم شری بول رہی ہوں''۔ ہمارے مداح نے بلند بانگ قہقہہ لگا کر کہا ''بھائی! آپ بھی اچھا خاصہ مذاق کر لیتی ہیں''۔ یہ سنتے ہی نہایت کرخت لہجے میں بولیں ''میں کیا جانوں کہ یہ مذاق کس کو کہتے ہیں۔ آخری مرتبہ پچاس برس پہلے مجھے ہنسنے کا موقع ملا تھا۔ اب یہ بھی یاد نہیں رہا کہ آدمی کی ہنسی ہونٹوں سے ظاہر ہوتی ہے یا اس کی آنکھوں سے''۔ ہم نے فوراً فون کا ریسیور اپنی نصف بہتر کے ہاتھوں سے چھین لیا کیونکہ وہ اپنی داستان غم سنانے پر مائل تھیں۔ پچھلے پچاس برسوں سے یہی سلسلہ جاری ہے۔ ایسی ہی باتوں کی وجہ سے ہم ہمیشہ فکر مند اور غمگین رہنے کے عادی ہیں۔ اپنی بپتا کسے سنائیں۔

قصہ درد سناتے ہیں کہ مجبور ہیں ہم

آخر میں ہم دنیا بھر میں پھیلے ہوئے اپنے لاتعداد مداحوں کے تہہ دل سے ممنون و مشکور ہیں جنھوں نے اپنی محبتوں، نوازشوں، نیک تمناؤں اور دعاؤں سے ہمیں نوازا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ خدائے بزرگ و برتر ہمارے چاہنے والوں کی دعاؤں کو قبول فرمائے (آمین ثم آمین) اور درویش کی صدا کیا ہے۔

محسنہ جیلانی

خوانچہ والا

گھر سے نکل کر ابھی سڑک پر قدم ہی رکھا تھا کہ ایک چھوٹی سی بچی بھاگتی ہوئی ہمارے سامنے آ گئی۔ اس نے اپنا پلاسٹک کا برتن آگے بڑھایا۔ باجی صبح سے بھوکی ہوں، کچھ دے دو۔ اللہ تمھارا بھلا کرے گا۔ دھول میں اٹے ہوئے الجھے ہوئے منہ پر بکھرے ہوئے بال مدتوں سے کنگھی سے بے نیاز، ننگے پیر اور پھٹے ہوئے فراک میں وہ سامنے کھڑی تھی۔ اس کی عمر مشکل سے پانچ یا چھے سال رہی ہوگی اور پھر کیسے رٹے ہوئے جملے اس کے منہ سے نکل رہے تھے۔ اللہ تمھارا بھلا کرے گا۔ بھوکی ہوں...... اس کے چہرے پر معصومیت کی جگہ بڑا پن نظر آیا۔ وہ اپنی عمر سے جیسے ایک دم بڑی ہو گئی ہو۔ اس کے برتن میں پیسے ڈالنے کی دیر تھی کہ جیسے چاروں طرف سے پھیلے ہوئے ہاتھوں کی یلغار نے گھیر لیا۔ جیسے کاسہ گدائی پھیلانے والے اس کے منتظر ہوں۔

کیا مصیبت ہے گھر سے باہر نکلے نہیں کہ یہ لوگ چاروں طرف سے ٹوٹ پڑتے ہیں۔ نجانے کہاں سے اتنے سارے بھیک مانگنے والے نکل پڑتے ہیں۔ باجی کہہ رہی تھیں۔

ان بچوں کے تو کھیلنے کودنے کے دن تھے۔ کیسی مائیں ہیں جو پھول سے بچوں کو گھروں سے نکال دیتی ہیں۔ غربت کیسی بُری چیز ہے اور میں سوچ رہی تھی کہ دنیا کیسی پُر خطر جگہ ہے۔ ان معصوموں کے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ کیسی پریشان کن بات تھی۔

بازار سے لوٹنے پر گھر کا ہر فرد بڑھ چڑھ کر بول رہا تھا۔ آپ کو نہیں معلوم کہ بھیک مانگنا بھی ایک منظم پیشہ بن گیا ہے۔ صبح صبح نجانے کہاں سے فقیروں کی ایک ریل پیل وین میں بٹھا کر سڑکوں پر چھوڑ دی جاتی ہے اور شام کو انھیں اکٹھا کر کے واپس ان کے ٹھکانوں پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اب ہمارے معاشرے کا یہ حال ہے کہ یہ روزی کمانے کا ایک بے حد آسان ذریعہ بن گیا ہے۔ نوجوان بڑھ چڑھ کر بول رہے تھے۔ کوئی ان کا نوٹس نہیں لیتا۔ کوئی اس کاروبار کو روکنے والا نہیں۔ حکومت بے بس ہے۔ لوگ خاموش ہیں۔ کیا دوسرے ملکوں کی طرح ہمارے ہاں بھی فلاحی نظام قائم نہیں ہو سکتا؟ لعنت ہے ہم سب پر ہماری قوم پر۔ ہماری آزادی پر۔

بائیس سالہ امجد کہہ رہا تھا۔ دیکھیے خالہ، بات یہ ہے کہ ہم زندہ، آزاد اور خوش حال قوم

کہلانے کے مستحق نہیں رہے۔ ہمارے ضمیر مر گئے ہیں۔ ایک آزاد قوم کی حیثیت سے ہم نے تو اپنی پہچان بھی دوسری قوموں سے مستعار کی ہوئی ہے۔

میں نے اس کی بات ایک خوش گوار احساس کے ساتھ سُنی۔ مجھے لگا کہ ایک نوجوان دوسرے ہزاروں نوجوانوں سے ہٹ کر اپنا نقطہ نظر بیان کر رہا تھا۔ لیکن امجد...... میں نے کہا تم ضرورت سے زیادہ ہی جذباتی ہو رہے ہو۔ کچھ ایسا بھی نہیں ہے کہ ہم سب اپنی پہچان بھی کھو دیں۔ سب کو ایک ہی لکڑی سے ہانکنا کہاں کی دانشمندی ہے؟

آپ کمال کرتی ہیں۔ وہ پھر جوشیلے انداز میں بحث پر اتر آیا۔ اب دیکھیے نا! ہماری زبان، کلچر، ہماری تہذیب سب ختم ہوتی جا رہی ہے۔ ہم دوسری قوموں کی نقل کر رہے ہیں۔ ہمارے پاس اپنا کچھ نہیں رہا۔ ہم مادی دنیا کی تلاش میں ساری آزاد اور خوش حال قوموں سے بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ اب ہم صرف بھیک مانگنے والی قوم ہیں۔ بڑے پیمانے پر اور چھوٹے پیمانے پر ہم سب بھیک مانگ رہے ہیں۔

بھیک مانگنے پر مجھے استنبول کی وہ شام یاد آ گئی جب ہم چھٹیوں میں بازار سے گزر رہے تھے۔ ایک عورت ہمارے سامنے آ گئی اور اپنا ہاتھ پھیلا کر کچھ مانگنے لگی۔ ابھی وہ اپنی بات پوری بھی نہ کر پائی تھی کہ راستہ چلتے ہوئے ایک ترک نے اسے سختی سے ڈانٹ دیا۔ تم غیر ملکیوں کے سامنے ہاتھ پھیلا کر اپنی پوری قوم کو بدنام کر رہی ہو۔ عورت سہم کر ایک دم پیچھے ہٹ گئی۔ یہ ایک زندہ قوم کی کہانی تھی۔ ہمیں کیا ہو گیا ہے آخر؟

بحث بہت لمبی تھی۔ شام کا کھانا لگ چکا تھا۔ نوالے حلق سے اُتارتے ہوئے عجیب تکلیف سے دوچار رہی۔ رات بہت گرم تھی۔ بلا کا حبس اور گھٹن جیسے بارش ہونے والی ہو۔ بار بار بجلی چلی جاتی۔ نیند جیسے ہاتھ سے چھڑا کر بھاگ گئی۔ بارش کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ لیکن دل پر چھائی گھٹا دھواں دار برسنے لگی۔ نیند کہاں آتی۔ بار بار بھیک مانگنے والی بچی میرے پاس آ کر بیٹھ جاتی۔ معصوم چہرہ، غربت اور محرومی کی کہانی سناتی ہوئی دو آنکھیں، حسرت سے تکتی ہوئی۔

دوسرے دن مجھے درزی کے پاس جانا تھا۔ سلے ہوئے کچھ کپڑے واپس لینا تھے۔ کپڑے لے کر میں دکان سے نکلنے ہی والی تھی کہ مجھے ایک دم احساس ہوا کہ کاؤنٹر کے پیچھے کوئی بیٹھا ہوا ہے اور مشین چلنے کی گھڑ گھڑ آواز سنائی دے رہی ہے۔ میں نے اُچک کر دیکھا۔ ایک بچہ زمین پر بیٹھا شلوار کے پائنچوں پر بخیے کر رہا تھا۔ اس کے ننھے ننھے ہاتھ بڑی تیزی سے چل رہے تھے۔ مجھے یوں جھانکتا دیکھ کر وہ ٹھٹک گیا۔ مشکل سے اس کی عمر نو سال رہی ہوگی۔

ابھی میں اپنے سوالات کا پٹارہ کھولنے ہی والی تھی کہ اوپر کی منزل سے ٹیلر اُترتے نظر آئے۔ مجھے مجسم سوال دیکھ کر انھوں نے میرے سارے سوالوں کا جواب دے دیا۔ اس کی ماں اسے میرے حوالے کر گئی ہے کہ اسے ٹریننگ دے دوں۔ کچھ سیکھ جائے گا تو دو پیسے کمانے کے قابل ہوگا۔ باپ تو ناکارہ ہے۔ چھ بچے اور پھر بیمار ماں۔

یہ تو اس کے اسکول جانے کے دن تھے۔ کھیلنے کودنے کے دن تھے۔ میں نے کہا۔

اس کے چھ بہن بھائی ہیں۔ کوئی بھی اسکول نہیں جاتا۔ جب گھر میں کھانے کے لیے نہ ہو تو اسکول جانے اور پڑھنے لکھنے کا سوال کہاں؟ سوچیے بہن کیا حالات ہوں گے۔ ٹیلر ماسٹر کہہ رہے تھے۔

جاتے جاتے میں نے ایک نظر اس بچے کی طرف دیکھا اور اس کا نام پوچھا۔ پپو...... اس کا مختصر جواب تھا۔

سارے دن میں تم کتنے پیسے کما لیتے ہو؟ میں نے اس سے دوسرا سوال کیا۔

ایک شلوار کے پانچوں کے چار روپے ہوتے ہیں۔

ایک دن میں کتنے پائنچے بنا لیتے ہو؟

یہی دس بارہ کے قریب۔

اور ایک دن میں کتنے پیسے مل جاتے ہیں؟

کوئی تیس چالیس کے قریب۔

تو تم ان پیسوں کا کیا کرتے ہو؟ میرے بے حد بے تکے سوال پر اس نے اپنی گردن اُٹھا کر بڑی عجیب نظروں سے مجھے دیکھا۔ میرا مطلب تھا۔ میرا مطلب تھا...... میں گھبرا گئی۔

آنٹی اس نے مداخلت کی۔ اپنی چھوٹی اور باریک آواز میں وہ کہہ رہا تھا۔ بات یہ کہ میرا باپ افیم کھاتا ہے۔ اگر اُسے پیسے نہ ملیں تو وہ میری ماں کو مارتا ہے اور مجھے بھی مارتا ہے تو میں سارے پیسے اب اسے دے دیتا ہوں تاکہ میں، اور میری ماں پٹنے سے بچ جائے۔

اس کے چہرے پر دُکھوں کے سایے اُمڈ آئے۔

میرا دل حلق میں آ گیا۔ بوجھل دل کے ساتھ میں دکان سے باہر نکل آئی۔

لندن واپسی پر زندگی کے بکھیڑوں میں گھری رہی لیکن اس ننھی بچی اور بچے کا چہرہ میرے ذہن پر چپک کر رہ گیا تھا۔ سپر مارکیٹ میں دنیا جہاں کے انواع و اقسام کے کھانوں سے بھرے اسٹور میں کتے اور بلیوں کے سامان عشرت سے اٹے ہوئے شیلف پر اچانک ایک بچی کا ننھا ہاتھ

میرے کوٹ کا کونہ پکڑ لیتا اور ایک نو سالہ بچہ بڑی حسرت بھری نظروں سے مجھے دیکھتا اور میں دامن جھٹک کر آگے بڑھ جاتی۔

اس بار کراچی گئی تو اس بچے کو ضرور تلاش کروں گی۔ کپڑے سلانے کا تو ایک بہانہ تھا۔ میں اس بچے کو دیکھنا چاہتی تھی۔ اس کے لیے کچھ کرنا چاہتی تھی۔

سالا چور نکلا۔ ٹیلر ماسٹر کہہ رہا تھا۔ اگر چاہتا تو اسے پولیس کے حوالہ کر دیتا۔ میں نے اسے نکال دیا۔ چوروں کا یہاں کیا کام بھلا؟

جانے اس نے چوری کیوں کی تھی۔ وہ تو بہت معصوم تھا۔ غربت کیا کچھ نہیں کراتی۔

کچھ دنوں کے بعد وہ مجھے اسی شاپنگ سینٹر میں نظر آیا۔ اس کے گلے میں کمر بند اور دوسری چھوٹی موٹی چیزوں کا خوانچہ لٹکا ہوا تھا۔ سوئیاں، سلائیاں، بالوں کے پن پلاسٹک کے چھوٹے موٹے کھلونے اور نہ جانے کیا کیا۔

کمر بند خرید لو آنٹی۔ وہ میرے سامنے آن کر ٹھہر گیا۔

تو تم نے درزی کا کام چھوڑ دیا؟

ہاں آنٹی، وہ نیچی نظروں سے کہہ رہا تھا۔ اِس کام میں منافع زیادہ ہے۔ کمر بند خرید لو۔ بہت اچھے ہیں۔ اس نے اچانک موضوع بدل دیا۔ بہت اچھے ہیں۔ پینتیس روپے کا ایک پیکٹ ہے۔ تیس روپے میں دے دوں گا۔ وہ بوڑھوں کی طرح سنجیدہ تھا اور بہت پروفیشنل انداز میں بات کر رہا تھا۔

میں نے کچھ پیکٹ اٹھائے اور شاپنگ سینٹر سے باہر آ گئی اور جب بھی وہ نظر آتا میں اس سے کچھ نہ کچھ خرید لیتی۔

فقیروں اور مانگنے والوں کی وہی پرانی یلغار تھی۔ لگتا تھا کہ یہ پیشہ کرنے والوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔

میرے پاس کمر بندوں کے پیکٹوں کا ڈھیر لگ گیا اور بڑے اور بچے سب مذاق اڑاتے کہ آخر اتنے کیوں خرید لیتی ہو۔ کیا کرو گی آخر ان کا؟ یہ لڑکا تمھیں بے وقوف بنا رہا ہے لیکن میں کیا کر سکتی ہوں۔ اکثر اس سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے۔

آنٹی۔ اور کمر بند خرید لو۔ آج بہت سستے ہیں۔ اس سے ایک دن پھر مڈبھیڑ ہو گئی۔ آخر میں کتنے کمر بند خریدوں؟ اس سے میں نے اپنی جان چھڑانے کی کوشش کی۔ میں ان کا کیا کروں گی آخر؟ کسی کو تحفہ میں دے دینا۔ اس کا برجستہ جواب تھا۔ مجھے ہنسی آ گئی۔ بھلا کمر بند ہی

کسی کو تحفہ میں دینے کی چیز ہے؟ ذرا سوچو تو۔

آج پہلی بار میں نے اس کے چہرے پر ہنسی کا اُجالا دیکھا اور بچپنے کا شوخ، لاأبالی پن......
اور جیسے میرے دل پر تسلی کی ایک ننھی کرن اُترتی چلی آئی۔

بچوں کی دیکھ بھال، ملازمت اور گھریلو ذمہ داریوں میں اُلجھی ہوئی میں کراچی نہ جا سکی۔
کئی سال دبے پانو گزرتے چلے گئے۔ عید کے بعد کراچی میں شادیوں کا سلسلہ چل نکلا اور یوں
پھر مجھے کراچی اور کراچی کے شاپنگ سینٹر جانا پڑا۔

کار پارک میں ابھی کار سے اُتری ہی تھی کہ وہ مجھے نظر آیا۔ خوانچہ تو وہی تھا لیکن وہ بہت بدل
گیا تھا۔ میں نے اسے پہچاننے کی کوشش کی۔ وہ وہی تھا۔ اس نے مجھے دیکھا لیکن اس کے چہرہ پر
کوئی تاثر نہیں تھا۔ شاید اس نے مجھے پہچانا نہیں۔ شاید میں بہت بدل گئی ہوں۔ زندگی کی تگ و دو کا
سلسلہ ہم سے ہمارا سارا اثاثہ چھین لیتا ہے۔ ہمارے چہرے ہمارے نہیں رہتے۔ ہم بدل جاتے
ہیں۔ ہماری شناخت مخدوش ہو جاتی ہے۔

وہ عین میرے سامنے آن کر رُک گیا۔ وہ وقت سے پہلے بچپن اور لڑکپن کی حدیں پھاند گیا
تھا۔ بالوں میں جیسے کراچی کی ساری دھول جمی ہوئی تھی۔ دھول کے سبزہ خط ملگجا لگ رہا تھا۔ اس کی
آواز بدلی ہوئی تھی۔ قد ذرا سا اونچا تھا۔ مگر یہ وہی تھا۔ کمر بند چاہئیں آنٹی؟ بہت سستے ہیں۔ اس
کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی۔

میرا کمر بند خریدنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا اور دوسری بہت سی چیزیں خریدنا تھیں۔
مجھے بالکل کمر بند نہیں چاہئیں۔ نہ جانے کتنے پیکٹ اب تک بے کار پڑے ہوئے ہیں۔ تم
نے مجھے پہچانا نہیں؟

میں پہچانتا ہوں آنٹی۔ جب ہی تو آیا ہوں۔

اب ایسا کرو۔ میں نے اپنا پرس کھولا اور سو روپے کا نوٹ اس کے خوانچہ پر رکھ دیا۔ تم بہت
تھکے ہوئے لگ رہے ہو کہیں جا کر کھانا کھا لو۔ مجھے اب کمر بندوں کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔
اس نے مجھے ایسی نظروں سے دیکھا کہ میں خود اپنی نظروں میں گر گئی۔ شاید میں نے اس کی
انا کو ٹھیس پہنچا دی تھی۔

''میں خیرات نہیں لیتا آنٹی۔''

اس نے نوٹ میرے منہ پر دے مارا اور پھر تیزی سے مُڑا اور پاس کی گلی میں کہیں غائب
ہو گیا۔

تبصرے کے لیے ہر کتاب کی دو جلدوں کا آنا ضروری ہے

رفتار ادب

تبصرہ نگار کی رائے سے اڈیٹر کا متفق ہونا ضروری نہیں

کتاب نما میں تبصرے کے لیے کتابیں اور رسالے خاصی تعداد میں آتے ہیں لیکن محدود صفحات کی بنا پر ہم تبصرے جلد شائع نہیں کر پاتے۔ اشاعت کے ضمن میں تاخیر کے سبب مصنفوں کے حد درجہ اصرار اور ناراضگی اپنی جگہ درست ہے۔ لہٰذا اب ہم نے اپنی سہولت کے لیے رفتار ادب کا یہ کالم شروع کیا ہے تاکہ مختصر طور پر کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ تعارف پیش کیا جا سکے۔ (ادارہ)

اردو مفسرین کا تفسیری موقف

مصنف : ڈاکٹر سید شاہد علی

مبصر : خالد عمری

قیمت : ۳۵۰ روپے

حال کے دنوں میں علوم اسلامیہ کے حوالے سے جن اسکالرس کا نام بہت تیزی سے ابھر کر سامنے آیا ہے ان میں ایک نام ڈاکٹر سید شاہد علی کا ہے۔ ڈاکٹر سید شاہد علی، شعبۂ اسلامک اسٹڈیز جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ان کی شخصیت علمی حلقوں میں خاص متعارف ہو چکی ہے۔ ماضی قریب میں موصوف کی کئی کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب انھیں میں سے ایک ہے۔ اردو مفسرین کے تفسیری موقف سے متعلق یوں تو گاہے گاہے مختلف مضامین، رسائل، مجلات شائع ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن بعض معروف اردو مفسرین کے تفسیری موقف کے متعلق ایک نہایت عمدہ اور قابل قدر کتاب ہے۔ یہ کتاب تصنیف کر کے مصنف نے علم تفسیر کے طالب علم کو ان موضوعات کے لیے مختلف جرائد کی چھان بین سے بے نیاز کر کے آج کی مصروف زندگی میں مختصر وقت میں بیک وقت کئی مفسرین کے موقف سے آگاہ ہونے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس سے علوم اسلامی کے طلبہ کے لیے اس کی افادیت اور معنویت اور بڑھ گئی ہے۔

ڈاکٹر سید شاہد علی نے کتاب کو آٹھ ابواب میں منقسم کیا ہے۔ پہلا باب دیباچے کے ۲۵

صفحات پر مشتمل ہے۔اس میں موصوف نے تفسیر کے معنی و مفہوم، تفسیر کی اصطلاحی تعریف، تفسیر کے بنیادی مصادر، اقسام تفسیر کو بیان کرتے ہوئے اس کے ارتقاء کی تاریخ پر بھی قدرے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔اس کے بعد بقیہ سات ابواب میں ہر باب کے تحت ایک ایک اردو مفسر کا تفسیری موقف پیش کیا ہے۔باب دوم کے تحت مولانا ابوالکلام آزاد، باب سوم کے تحت مولانا عبدالماجد دریابادی، باب چہارم کے تحت مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، باب پنجم کے تحت مولانا حمید الدین فراحی، باب ششم کے تحت مولانا امین احسن اصلاحی، باب ہفتم کے تحت مولانا مفتی محمد شفیع اور آخری باب باب ہشتم کے تحت مولانا وحید الدین خاں کے تفسیری موقف سے متعلق خیالات پیش کیے ہیں۔

اردو دنیا میں ان کے علاوہ اور مفسرین بھی ہیں۔لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ برصغیر ہندو پاک کے تناظر میں ڈاکٹر سید شاہد علی نے اپنی کتاب میں صرف ان ہی حضرات کو جگہ دی ہے جو تفسیر کے میدان میں اردو دنیا میں نمایاں مقام رکھتے ہیں اور جو کسی نہ کسی طور سے ایک مخصوص مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہوئے اس کے سب سے بڑے نمایندے بلکہ موسس شمار کیے جاتے ہیں۔ظاہر ہے تمام مفسرین کی آراء کا احاطہ تو ممکن نہیں تاہم یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ سرسید احمد خاں اور احمد رضا خاں بریلوی نے موجودہ دور میں اپنے اپنے طور پر جس طرح اپنی فکر اور اپنے خیالات سے مسلم دنیا کو کافی متاثر کیا ہے اور ایک مستقل مکتب فکر کے طور پر ان کے افکار و خیالات عام ہوئے ہیں، ایسی صورت میں ان حضرات کے تفسیری موقف کو بیان کیا جاتا تو شاید کتاب کی جامعیت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔

کتاب کے مطالعے سے ایک عام تاثر یہ قائم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر سید شاہد علی نے ان مفسرین کے تفسیری موقف کو بیان کرنے کے لیے بغرض احتیاط انہی کے الفاظ اور انہی کی عبارتوں کا سہارا لیا ہے۔اپنے الفاظ بیان کرنے سے گریز کیا ہے۔اس سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا یہ مختلف مضامین کا مجموعہ ہے۔اس سے قاری کو براہِ راست ان مفسرین کے موقف کو سمجھنے میں زیادہ آسانی ہوگی۔اور یہی اس کتاب کا اصل مقصد ہے۔

بہر کیف ڈاکٹر سید شاہد علی کی علم تفسیر سے متعلق اس سے پہلے ایک اور کتاب منظر عام پر آچکی تھی۔اس سے ان کی قرآن اور دین سے گہری وابستگی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔امید ہے کہ موصوف کی یہ کاوش علمی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔

اردو افسانہ تعبیر و تنقید

مصنف : ڈاکٹر اسلم جمشید پوری

مبصر : ڈاکٹر صغیر افراہیم

قیمت :-/175 روپے

اسلم جمشید پوری افسانہ نگار ہیں۔ فکشن کے نقاد ہیں۔ اس لیے افسانوی ادب کے تعلق سے، نقطۂ نظر تنقیدی ہوتے ہوئے بھی ایک گونہ تخلیقی ہے۔ زیر مطالعہ تصنیف ''اردو افسانہ: تعبیر و تنقید'' سے قبل، اس موضوع پر آپ کی دو کتابیں'' جدیدیت اور اردو افسانہ'' اور ''ترقی پسند اردو افسانہ اور چند اہم افسانہ نگار'' منظرِ عام پر آ چکی ہیں، اور ادبی حلقوں میں پسند کی گئی ہیں۔

اسلم جمشید پوری کی یہ کتاب تین حصوں میں تقسیم ہے۔ پہلے حصے کا عنوان ''روایت و تنقید'' ہے۔ دوسرا حصہ ''تعبیر'' کے نام سے ہے، اور تیسرا تبصروں پر مشتمل ہے۔ شروع کے دونوں حصے جو تنقیدی مضامین اور تجزیوں پر مبنی ہیں خاصے اہم ہیں۔ ان میں فن اور فنکار دونوں پر توجہ دی گئی ہے اور معروضی انداز اختیار کیا گیا ہے۔ مصنف نے پیش لفظ میں اس کی وضاحت کی ہے:

> '' دراصل افسانے کی تنقید ناقد سے متعدد تقاضے کرتی ہے۔ مثلاً پوری کہانی پر نظر ہونا، کہانی کی جزئیات، زبان، قصہ پن پر قابو اور فن افسانہ نگاری سے واقفیت۔ موضوع سے ہم آہنگی، ناقد کو کہانی کی ادھیڑ بن میں خاصی معاون ہوتی ہے۔''

موصوف کتاب کے تمہیدی کلمات میں آگے لکھتے ہیں:

> '' تنقید، فن تک رسائی کا ذریعہ ہے۔ تنقید فن پارے کا اشاریہ ہوتی ہے، اس کا تعارف ہوتی ہے۔ تنقید کا کام فن پارے کے اسرار و رموز سے واقفیت کرانا ہوتا ہے۔ وہ فن پارے کو مختلف معیار اور مراحل سے گزار کر، اس کے متعلق منفی و مثبت، ہر دو طرح کے اوصاف کو ظاہر کرتی ہے...... 'اردو افسانہ: تعبیر و تنقید'، میں، میں نے کوشش کی ہے، کہ افسانے کے تقریباً صد سالہ سفر کا، ایک خاکہ پیش کر سکوں۔ پریم چند سے لے کر اختر آزاد تک کے فن اور فن پاروں پر بحث کرنے کی کوشش کی ہے۔''

ڈاکٹر اسلم جمشید پوری کسی حد تک اپنے اس دعوے میں کامیاب بھی ہیں۔ تشنگی کے باوجود

کتاب کے دونوں حصے افسانے کی سوسالہ تاریخ کو پیش کرتے ہیں اور اشارے یہ واضح کرتے ہیں کہ تقسیم ہند سے پہلے افسانہ نگاروں کے پاس نوآبادیاتی نظام سے نبرد آزما ہونے والا ایک واضح نصب العین تھا۔ آزادی ملنے کے آس پاس کے زمانے میں بھی، جب آگ اور خون کے آتش فشاں منظر میں، صدیوں کے تعلقات چیخ رہے تھے، اس پر آشوب دور میں بھی افسانہ نگاروں کے سامنے اپنا ایک مطمح نظر تھا، جو رفتہ رفتہ ماند پڑتا گیا۔

پریم چند اور رشید جہاں کے توسط سے، اسلم جمشید پوری نے یہ واضح کیا ہے کہ دونوں افسانہ نگار معاشرے سے بیگانگی کے احساس کو ختم کرتے ہوئے، اسے متحرک وفعال بنانا چاہتے تھے، تاکہ پچھڑے اور کچلے ہوئے طبقے میں آگے بڑھنے کا عزم اور حوصلہ پروان چڑھ سکے۔ خصوصاً خواتین اپنی استعداد اور پسند کے مطابق ترقی کی راہ پر گامزن ہوسکیں۔ ''آخری کوشش''، ''پشاور ایکسپریس''، ''رئیسہ خانہ'' اور ''بابا لوگ'' میں، فکری اپروچ کے وسیلے سے، جو تصویر ابھاری گئی ہے، وہ غریبوں کی بے بسی اور امیروں کی بے حسی کی ہے، پھٹے حال لوگوں کی فاقہ مستی کی ہے، مذہب کے اجارے داروں اور سماج کے ٹھیکداروں کی ہے، بربریت اور جبر وتشدد کی ہے۔ افسانے کا قاری ان رنگارنگ تصویروں کو دیکھ کر تلملا اٹھتا ہے اور بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

''جدیدیت اور اردو افسانہ'' اور ''ہم عصر کہانی میں جدید حقیقت نگاری'' میں، اسلم جمشید پوری نے یہ باور کرایا ہے، کہ ہجرت اور غریب الوطنی کے مسائل نے جس طرح ذہنوں کو جھنجھوڑا ہے، اس سے فنکارانہ شعور گہرے طور پر متاثر ہوا، اور پھر بدلتے ہوئے تہذیبی تناظر میں، افسانہ نگاروں کو نئے مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ جغرافیائی تبدیلی نے غور وفکر میں تلاطم پیدا کیا تو اردو افسانہ نے بھی نیا رخ، اور نیا انداز اختیار کیا۔ نئے سانچے مرتب کیے گئے اور اسے نئے تناظر اور نئی وسعت سے روشناس کرایا گیا۔

فکری اور فنی دونوں اعتبار سے آج اردو افسانے کا دامن بہت وسیع ہو گیا ہے۔ شاید اس وجہ سے بھی، کہ نت نئی ایجادات کے عمل اور ردعمل کی بنا پر، موجودہ زندگی بے حد تحیر آمیز ہو چکی ہے اور جب زندگی اتنی پُر اسرار اور تہہ بہ تہہ ہو، تو کہانی نے بھی کم وبیش وہی شکل اختیار کرلی ہے۔ ایسے میں تقریباً ہر فنکار اپنے زاویے سے فن پارہ خلق کررہا ہے۔ یہ بہتر بھی ہے اور باعثِ تشویش بھی جہاں تک فن کا تعلق ہے تو ممتاز شیریں نے بہت پہلے کہا تھا، کہ کہانی کہنے کے ان گنت

طریقے ہیں۔ دو طریقے یکساں نہیں ہوتے۔ دو کہانیاں ایک سی نہیں ہوتی۔ کہانیاں مختصر قصوں کی طرح بھی ہوتی ہیں اور ایسی بھی جن میں ان کا فقدان ہو کہانی دور سے لیا گیا ایک جائزہ، کسی واقعہ کی ہو بہو تصویر اور محض رپورتاژ بھی ہو سکتی ہے۔ اس میں نفسیاتی تجزیہ بھی ہوتا ہے اور سوچتا ہوا ذہن بھی دکھائی دیتا ہے۔ ایسی ڈھیر ساری کہانیوں میں کچھ کہانیاں ایسی بھی ہیں، جن کی اہمیت اور افادیت میں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔ راجندر سنگھ بیدی احمد ندیم قاسمی، سریندر پرکاش، غیاث احمد گدی اور سلام بن رزاق کی ایسی ہی معروف کہانیوں کا اسلم جمشید پوری نے تجزیاتی مطالعہ کیا ہے، اور فرد کی ذاتی سوچ اور نجی مجبوری کو اس طرح پیش کرنے کی کوشش کی ہے، کہ اس سے نہ صرف ہمارا پورا سیاسی اور سماجی نظام کہانی کی تنقید کی گرفت میں آ گیا ہے بلکہ اسلوب اور تکنیک کے تجربے بھی واضح ہو گئے ہیں ان تجزیاتی مطالعوں سے محسوس ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا افسانہ نگاروں نے، تشبیہوں، استعاروں اور علامتوں کو اس طرح برتا ہے، کہ وہ خارج سے مسلط کی ہوئی نظر نہ آئیں، بلکہ فن پارے ہی سے نکل کر، اور باہم دگر مربوط ہو کر وحدت تشکیل دیں۔ اس کاوش کی بدولت، اب کہانی کا ایک ایسا پیرائیہ اظہار وجود میں آ چکا ہے، جس میں قوت بیان بھی ہے اور تخیل کی جدت بھی۔ اسلم جمشید پوری نے انھیں صفات کو اپنے چھوٹے چھوٹے مضامین میں اجاگر کیا ہے جس کے لیے وہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔

تعلیمی جہات

مصنف : ڈاکٹر ایم نسیم اعظمی

مبصر : حکیم اشہر قدیر

قیمت : ۲۰۰ روپے

ہر عمل کے پس پردہ کوئی مقصد ہوتا ہے اور مقصد کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ عمل منصوبہ بند ہو۔ مثلاً کوئی مسافر اپنی منزل اور اس وقت تک جانے والے راستوں سے آگاہ ہو تو بہت آسانی سے منزل مل جاتی ہے، اس کے برعکس گمرہی کے امکانات قوی ہو جاتے ہیں۔ حصول تعلیم بھی ایک عمل ہے۔ حالانکہ علم کو روشنی سے تعبیر کیا گیا ہے لیکن اگر تعلیم کا طریقہ اور مقصد معلوم نہ ہو تو منصوبہ بندی کا فقدان تعلیم یافتہ شخص کو بھی مشکلات میں ڈال سکتا ہے۔ کیا ہم نہیں دیکھتے کہ ہمارے گردونواح میں نہ جانے کتنے تعلیم یافتہ لوگ بالخصوص نوجوان بے روزگاری اور محرومی کی

حالت میں انتہائی کرب و بے چینی سے زندگی گزار رہے ہیں

چنانچہ بہت ضروری ہے کہ حصول تعلیم کے تعلق سے طلبہ اور ان کے والدین وسرپرستوں کو یہ آگاہی ہو جائے کہ ان کی تعلیم کا مقصد کیا ہے اور انھیں کس جہت سے تعلیم حاصل کرنی ہے۔ یہی آگاہی پیش نظر کتاب کا موضوع ہے۔ صاحب کتاب ڈاکٹر ایم نسیم اعظمی جو بحیثیت ماہر تعلیم کے معروف ہیں ایک عرصہ سے اس گراں قدر کام میں صروف ہیں کہ تعلیمی میدان میں پچھڑی اور تعلیمی جہات سے نسبتاً کم واقف مسلم قوم تک یہ بات پہنچے کہ تعلیم کی اہمیت کیا ہے اور حصول تعلیم کا مقصد اور طریقے کیا ہیں۔ اس ضمن میں موصوف کے متعدد خیالات شائع ہو چکے ہیں جن کا مجموعہ یہ کتاب ہے۔ جملہ مقالات کے یکجا ہونے سے تعلیم، معلم اور متعلم پر مبنی تعلیمی مثلث کا ہر زاویہ سامنے آگیا ہے۔

یہاں ہر سطح کی تعلیم اور اس سے مربوط روزگار کے مواقع، کتاب کے اطلاقی پہلو کو نمایاں کرتے ہیں۔ مثلاً دسویں اور بارہویں جماعت کے بعد بعض ناگفتہ اسباب کے باعث طلبہ تعلیم جاری رکھنے سے قاصر رہتے ہیں۔ اس مختصر تعلیم کے بعد وہ کیا ذرائع روزگار اختیار کر سکتے ہیں۔ کتاب میں موجود ہے۔ اسی طرح دسویں اور بارہویں پاس کرنے کے بعد اعلا تعلیم کے لیے سخت کمپٹیشن، کا مرحلہ عبور کرنا ذہین سے ذہین طالب علم کے لیے دشوار ہوتا ہے۔ مختلف کمپٹیشن میں کامیابی کی تیاری کس طرح کی جائے یہ رہنمائی بھی یہاں ملتی ہے۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد حصول روزگار بھی ایک نازک مسئلہ ہے جس کے حل نہ ہونے کی صورت میں سنگین صورت حال پیدا ہو جاتی ہے۔ کس تعلیم کے ساتھ روزگار کے کیا مواقع ہیں اس کی تفصیلات بھی یہاں موجود ہیں۔

کتاب کا سرورق دیدہ زیب ہے اور قدیم وجدید علوم وفنون میں باہمی ربط پیدا کرنے کا پیغام دیتا ہے۔ جو زبانی اسلوب اپنایا گیا ہے وہ اعلا تعلیم کے ساتھ اعلا فکر کو ملحوظ رکھنے کا درس دیتا ہے۔ بعض موضوعات کی تفصیل میں تاریخی پس منظر بھی شامل ہے جس کے سبب نئی نسل کو اس کی تہذیب سے روشناس کرنے کا اہم فریضہ بھی یہاں ادا ہو گیا ہے۔

میں بحیثیت ایک مدرس کے اس کتاب کو وقت کی اہم ضرورت سمجھتا ہوں اور صاحب کتاب کی اس گراں قدر کاوش کو ہر تعلیمی مرکز تک پہنچانے کی سفارش کرتا ہوں تا کہ قوم کو درکار تعلیمی جہاد کی جہات سے ہر مجاہد بخوبی واقف ہو جائے۔

قلم اور قلم کار

مصنف : شاغل ادیب

مبصر : عاجز ہنگنگھائی

قیمت : -/100

ناشر : نیرنگ ادب پبلیکیشنز مشیر آباد

دلی دکنی کی ادبی سرزمین حیدرآباد کا تہذیبی وادبی وجود کسی بھی دور میں ارتقائے ادب کے لحاظ سے کبھی پس پشت نہیں رہا اور آج بھی یہاں ادب پروری کے قابل رشک گل بوئے کھلائے جارہے ہیں برسر مطلب اردو کی مہک کو طشت از بام کرنے والوں کی فہرست میں شاغل ادیب صاحب کا شمار بھی بڑے فخر سے کیا جاتا رہا ہے۔ ان کی اب تک گیارہ تصانیف دنیائے شعروادب میں اپنے معیار کی مقناطیسی کیفیت کا لوہا منوا چکی ہیں اور اب شاغل صاحب کی بارھویں تصنیف قلم اور قلم کار ''تنقیدی، وتحقیقی مضامین وتبصروں کا مجموعہ میری نظر کے سامنے ہے شاغل صاحب کا شمار صرف ہندو پاک ہی میں نہیں بلکہ پوری اردو دنیا کے دانشوروں میں کیا جاتا ہے کیونکہ وہ دنیا کی بیشتر تحریکوں سے عمومی طور پر اور ادبی تحریکوں سے بطور خاص باخبر رہتے ہیں وہ جانتے اور سمجھتے بھی ہیں کہ اردو ادب کے حوالے سے کہاں اور کون سی تحریک چل رہی ہے اس کے باوجود ادب کی ناقدری پر دل شکن بھی ہوتے ہیں اور بارہا یہ سوال اپنے آپ سے یا پھر قاری سے بھی پوچھ لیتے ہیں کہ ہم ادب کیوں نہیں پڑھتے .... میں نے شاغل صاحب کی شعری ونثری کاوشیں ہمیشہ بڑی توجہ اور دلچسپی سے پڑھی ہیں .... بایں ہمہ اس تازہ تصنیف میں کچھ مضامین وتبصرے خواہ مختصر ہی مگر جامع اور مستند بھی ہیں کچھ تو ایسے بھی ہیں جن سے کتاب کے وقیع اور اہم ہونے کی سند بھی ملتی ہے اکثر وبیشتر ان کی نثری تخلیقات کے پیرائے اپنی الگ ایک شناخت رکھتے ہیں اور ان سے نظریاتی طور پر مکمل اتفاق نہ کرنے والے بھی ان کی تحریروں کو خلقی صفات کی وجہ سے پسند کرتے ہیں کیونکہ شاغل اپنے اظہار خیال اور طرز بیان کے لحاظ سے بہت کامیاب ہیں۔ یہ کتاب آندھرا پردیس کے تیئس قلم کاروں کی ادبی وفنی شخصیت اور ان کی نایاب تصانیف کے حوالوں سے مرتب کی گئی ہے معلوم نہیں انھوں نے کیوں ایسا کیا جبکہ دنیا بھر کے صف اول کے ارباب قلم پر انھوں نے بے لاگ مضامین اور تبصرے لکھے ہیں نیز تمام مطبوعہ حوالے بھی دیے گئے ہیں علاوہ ازیں تمام تبصروں پر تبصرہ کرنا تو ممکن نہیں مگر مضامین پڑھ کر شاغل صاحب کی علمی وادبی صلاحیتوں

کے علاوہ ان کے فن کی گہرائی و گیرائی اور مقبولیت کا اندازہ تو ضرور لگایا جا سکتا ہے لہٰذا میں نے اپنے دعوے کی دلیل میں اس کتاب کے کچھ مضامین پر اپنی مختصر سی تحقیقی رائے پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

''پروفیسر محمد علی اثر (بحیثیت ماہر دکنیات) ان کی ادب پرستی کی ایسی مثالیں پیش کی گئی ہیں کہ پڑھنے والا انگشت بدنداں ہوتے بغیر نہیں رہ سکتا۔

''حضرت ریاست علی تاج فن و شخصیت'' کی ادبی خدمات کا قابل رشک احاطہ حسد کی حدوں کو چھوتا ہوا محسوس ہوتا ہے......۔

''علامہ اشرف افتخاری'' کا رنگ تصوف ایمان پرو کیفیت کو دعوت حق بنا دیتا ہے......۔

''جمیل نظام آبادی دل کی زمین کے حوالے سے'' ان کی غزل پرستی پر اس قدر باریک بینی سے تحقیق کی گئی ہے جیسے کوئی غواص سمندر کی تہہ سے موتی نکال کر ساحل والوں کی طرف اچھال رہا ہو۔

''انوار خط روشن، شاعر پروفیسر محمد علی اثر'' سے مضمون اثر صاحب کی ادبی شخصیت کا ایسا ضوفشاں مینار ہے جس سے آنے والی نسلوں کو ایک چمکتی ہوئی راہ نصیب ہو سکتی ہے۔

''آرزو کے چراغ، شاعر رشید احمد جلیلی'' یہ تحقیق منفرد و مستند شاعر کی ادب نوازی کا وہ منبع ہے جس سے ان کی کلاسیکی غزلوں سے علم و ہنر کے فوارے پھوٹتے ہیں......۔

''شرف سخن، محمد نذیر احمد خاں نیر'' کے مضمون میں عروضی علم کے تحت مصنف نے ایسے شگوفے کھلائے ہیں کہ روح مہک اٹھتی ہے۔

بہر نوع شاغل ادیب صاحب کو داد دینی چاہیے کہ انھوں نے تبصروں پر تبصرے کر کے اور موضوع عنوانات قایم کے مضامین کے انتخاب میں بڑی محنت سے کام لیا ہے۔ بہر طور یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ ان میں ایک مکمل اور بھرپور نقاد کی صلاحیتیں، ادب پروری کا بے لوث جذبہ، تحقیق میں باریک بینی کی چھان پھٹک اور تبصروں میں ایک معتبر مبصر کا عکس دیکھا جا سکتا ہے۔ غرض قلم اور قلمکار ایسی تصنیف ہے جو ہر اعتبار سے ہمارے مطالعہ کے لیے بے حد ضروری ہے۔

فرید پربتی شعر، شعور اور شعریات

مرتبہ : سلیم سالک
مبصر : عمیر منظر
قیمت : -/250
ملنے کا پتا: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی

اردو شعروادب کے موجودہ منظر نامے میں فرید پربتی کا نام غیر معروف نہیں ہے۔ شاعر، ناقد اور محقق کے ساتھ ساتھ اردو زبان وادب کے ایک استاد کی حیثیت سے بھی انھیں اعتبار اور وقار حاصل ہے۔ زیر تبصرہ کتاب میں فرید پربتی کے شعری وادبی کارناموں کو موضوع سخن بنایا گیا ہے۔ کتاب کو چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا حصہ ان مضامین پر مشتمل ہے جس میں فرید پربتی کے شعری وادبی کارناموں کو نمایاں کیا گیا ہے۔

دوسرے حصے میں فرید پربتی کے سلسلے میں لوگوں کے تاثرات ہیں۔ تیسرا حصہ ان خطوط پر مشتمل ہے، جو اردو شعروادب سے متعلق شخصیات نے فرید پربتی کے نام تحریر کیے ہیں۔

کتاب کا آخری حصہ فرید پربتی کے مضامین اور کلام کے انتخاب پر مشتمل ہے۔ فرید پربتی غزل کے ساتھ ساتھ رباعی پر بھی قدرت رکھتے ہیں۔ بیشتر مضمون نگاروں نے اسی حوالے سے ان کے فکر اور فن کی تفہیم کی ہے۔ چند مضامین فرید پربتی کے نثری کارناموں کے حوالے سے بھی لکھے گئے ہیں۔ ان مضامین کے مطالعے سے فرید پربتی کے فکروفن کے بہت سے گوشے نمایاں ہوتے ہیں لیکن دوران مطالعہ قاری یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ زیادہ تر مضامین نہایت عجلت میں لکھے گئے ہیں۔ ان کی نوعیت تاثراتی ہے۔ ایسا ممکن ہے کہ یہ مضامین تبصرے کی شکل میں رہے ہیں جنھیں مرتب نے کتاب میں شامل کرلیا ہے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ماہانہ رسالوں میں ان مضامین کی چمک دمک رہی ہو مگر کتابی صورت میں یہ مضامین خود مضمون نگار کو چڑھا رہے ہیں۔ البتہ پروفیسر قدوس جاوید اور پروفیسر قاضی عبیدالرحمن ہاشمی کے مضامین غنیمت ہیں۔ یہ ذمے داری بہر حال مرتب کی تھی کہ وہ بہتر مضامین لکھواتے اور ایسی کتاب ترتیب دیتے جس سے فرید پربتی کے فنی اور فکری ابعاد کو سمجھا جاسکتا ہے۔

پروفیسر قاضی عبیدالرحمن ہاشمی نے لکھا ہے۔

جمالیاتی شعری روایت سے آگہی کے ساتھ انھوں نے (فرید پربتی) اپنی فطرت کے عین

مطابق ملک کی عام تہذیبی، روحانی اور انسانی روایات واقدار کا بھی گہرا عرفان حاصل کیا ہے۔ جس کے سبب ان کے یہاں تہذیب نفس اور تزکیہ نفس کے مرحلے آسان ہوئے ہیں۔ ان کے یہاں کسی نوع کی بغاوت نفرت یا غصے کا سراغ نہیں ملتا۔ اس کے برعکس ان کے ہاں ایک دانشورانہ استفہام اور ایک مسلسل حزنیہ آہنگ ملتا ہے، جو شاعر کی دردمند روح اس کی روحانی سوز و تپش اور زخموں کا پتا دیتا ہے اس عمومی تبصرے سے قطع نظر فرید پربتی جن اوصاف وخصوصیات کے سبب اس عہد میں اپنا امتیاز قائم کرتے ہیں وہ ان کا پختہ لسانی شعور ہے، استعارہ سازی اور تمثال سازی کا رجحان ہے، جو ان کی اصل پہچان کا ذریعہ بنتا ہے۔ (ص:41)

فرید پربتی سے محبت کرنے والوں اور شعروادب کے عمومی رجحانات اور میلانات سے باخبر رہنے والوں کے لیے ڈھائی سو روپے کوئی اہمیت نہیں رکھے۔

کھلے خطوط

☆ ریاض الرحمٰن شروانی

کتاب نما میں ''گھومتی ندی'' پر پروفیسر صغرا مہدی کا تبصراتی مضمون بہت خوب ہے۔ پروفیسر وارث کرمانی میرے دوست ہیں۔ وہ فارسی کے معروف عالم اور اردو کے ممتاز شاعر ہیں۔ اگرچہ اردو تنقید کے ضمن میں ان کا نام شاذ ہی سننے یا پڑھنے میں آتا ہے۔ ''گھومتی ندی'' کتابی شکل میں تو میری نظر سے نہیں گزری ہے لیکن میں اس کی قسطیں ''شب خون'' میں پڑھتا رہا تھا۔ جیسا کہ محترمہ صغرا مہدی نے لکھا ہے بعض خواتین کا ذکر انھوں نے جس لب و لہجے میں کیا ہے وہ مجھے بھی پسند نہیں آیا تھا۔ میری ان سے پہلی ملاقات علی گڑھ میں سید جرار حیدر صاحب کے مکان پر ہوئی تھی۔ ان دنوں وارث کرمانی صاحب تلاش معاش میں سرگرداں تھے اور جرار حیدر صاحب ان کی رہنمائی کر رہے تھے۔ اس لیے بالخصوص اپنی خودنوشت کے آخر میں انھوں نے جس انداز میں بیگم جرار حیدر کا ذکر کیا ہے وہ مجھ پر بہت گراں گزرا تھا۔

رہی یہ بات کہ ''قرۃ العین حیدر'' کی اس قدر پذیرائی ہوئی ہے اور ان کی نہیں، میرے خیال سے اس معاملے میں صغرا مہدی صاحبہ نے تکلف سے کام لیا ہے۔ وارث کرمانی صاحب فارسی کے جتنے بڑے اسکالر ہوں یا اردو شاعری اور تنقید میں ان کا جو بھی مقام ہو، قرۃ العین حیدر اس وقت اردو فکشن کا سب سے بڑا نام ہے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ وارث کرمانی صاحب کی فارسی ادب یا اردو شاعری اور تنقید میں یہ حیثیت ہے۔ فرق مراتب کا لحاظ ضروری ہے۔

☆ ظفر گورکھپوری، فلوریڈا شاستری نگر، ممبئی

آپ نے اپنی ادارت میں معیار کے حوالے سے کتاب نما کی روایت قائم رکھی ہے۔ یہ خوشی کی بات ہے۔ کتاب نما نے ہمیشہ میرا کلام شائع کیا ہے۔ محترم شاہد علی خاں میرے دیرینہ کرم فرما ہیں۔ ان کی حوصلہ افزائی ہمیشہ مجھے حاصل رہی ہے۔ خدا کرے ان کی صحت اچھی ہو۔ کتاب میں برادرم ڈاکٹر صدیق الرحمٰن قدوائی کی آمد بھی باعث مسرت ہے۔

☆ محسن فیروز آبادی۔ کھار منزل، فیروز آباد

کتاب نما وقت پر موصول ہوا۔ نئے سال کی مبارکباد قبول کیجیے گا۔ پروفیسر مشیر الحسن صاحب کا ''اشاریہ'' ایک گزارش اردو داں طبقے کو جھنجھوڑنے کے لیے کافی ہے۔ سبھی مضامین متاثر کرتے ہیں۔ خاص طور سے سرور عالم راز سرور صاحب کا مضمون ''اردو میں فارسی محاورے اور ضرب الامثال'' اور مناظر حسن کا مضمون غالب بحیثیت خطوط نگاران کی محنت کا غماز ہے۔ وہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ گوشہ غزلیات کا

انتخاب خوب سے خوب تر کی طرف گامزن ہے۔ جو آپ کی ژرف نگاہی کا شاہد ہے۔ منیش شکلا کی غزل میں قوافی کا استعمال غلط ہے۔ انھوں نے پھلنے کھلنے جیسے قوافی میں ملنے گھلنے چھلنے جیسے قوافی کا استعمال کیا ہے۔ کھل۔ چھل۔ جل۔ چل کا قافیہ مل چھل گھل نہیں ہوسکتا ہے۔ نقشبندی قمر نقوی کے دوہے بھی دوہے کے آہنگ پر نہیں ہیں۔ پہلا دوہا فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فاؤ اور دوسرا دوہا فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فاع پر اور تیسرا دوہا فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن کے آہنگ پر کیا گیا ہے جبکہ دوہا کا وزن فعلن فعلن فاعلن فعلن فعلن فاع ہوتا ہے۔ محترم عزیز نجیب آبادی کی غزل کا ہر شعر وادیٔ ذہن کو معطر کر گیا۔ ان کو مبارکباد۔ طنز و مزاح کے کالم میں مجتبیٰ حسین نے وہ شگوفے کھلائے ہیں جو شاعر حضرات کے کلیجے پر نشتر زنی کا کام کرتے رہیں گے۔

....

☆ مراق مرزا، اندھیری، ممبئی

کتاب نما ہر ماہ پابندی وقت کے ساتھ ہم دست ہو رہا ہے۔ تازہ شمارہ آپ کی ادارت میں غالباً تیسرا شمارہ ہے۔ ادارتی ذمہ داری سنبھالتے ہی رسالہ کے Appearauce میں تبدیلی کر کے آپ نے اپنی آمد کا احساس دلایا ہے۔ سرورق پر کسی معروف شاعر یا ادیب کی تصویر ہوا کرتی تھی۔ اب سرورق آرٹسٹک ہو گیا ہے۔ بہر حال تبدیلی کا نظام قدرت کا ایک حصہ ہے۔ انگریزی کا یہ قول مقبول و مشہور ہے۔ Change is the law of nature۔ وقت کے ساتھ دنیا کی ہر شے تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ لہٰذا کتاب نما کے look میں جو تبدیلی آپ نے کی ہے وہ قابل ستائش ہے۔

پچھلے شمارہ میں میری ایک غزل شامل اشاعت تھی جس کے لیے از حد ممنون ہوں۔ مذکورہ شمارہ سے متعلق ایک بات عرض کرتا چلوں جس سے کتاب نما کے ادبی معیار و وقار کی وضاحت ہوتی ہے۔ میرے ایک شناسا جو کہ ٹائمز آف انڈیا کے خصوصی نمایندے ہیں نے فون کر کے کتاب نما کے متذکرہ شمارہ میں چھپی میری غزل سے متعلق بتایا اور چند اشعار کی تعریف کرنے لگے تو میں چونک گیا۔ پھر میں نے دریافت کیا کہ ٹائمز آف انڈیا جیسے اخبار سے جڑے رہنے کے باوجود موصوف اردو رسائل و جرائد کے مطالعہ کے لیے وقت کیسے نکالتے ہیں تو انھوں نے جواب دیا کہ انگریزی میرے پیشے کی زبان ہے جبکہ اردو میری شناخت ہے، میری تہذیب ہے۔ موصوف کتاب نما کے مستقل قاری ہیں۔ اردو زبان و ادب کے تعلق سے ان کے خیالات و جذبات نے مجھے بے حد متاثر کیا اور ساتھ ہی انگریزی حلقوں میں کتاب نما کی مقبولیت کا اندازہ بھی ہوا۔

....

☆ سید مرتضیٰ حسین بلگرامی، فاطمہ منزل، علی گڑھ

کتاب نما ہندستان سے شائع ہونے

والے رسالوں میں ایک الگ نمایندہ حیثیت کا رسالہ ہے۔اس رسالہ کی خوبی یہ ہے کہ مختصر ترین ادبی امور پر بے لاگ تبصرہ اور معنویت کا اظہار، ادراک نیز معتبریت کا لحاظ اس میں ہمیشہ رکھا گیا۔ یہ وصف خاص ہی اس رسالے کی جان ہے۔ مشفق خواجہ صاحب نے ایک گفتگو میں کہا تھا کہ رسالے قاری کے لیے اور قاری رسالے کے لیے جان ہوتا ہے۔ کتاب نما اس سے متصف ہے۔

توقع ہے کہ ہمایوں ظفر زیدی صاحب جو جہانیان جہان گشت ہیں اردو، انگریزی کے دانشوروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ کتاب نما کو مزید افادی بنانے کی سمت توجہ خاص دیں گے اور ساتھ ہی مکتبہ جامعہ کی روح کو باقی رکھنے کی سبیل پر بھی نظر رکھیں گے۔ مکتبہ جامعہ ایک اصلاحی عمل ہے۔ ذہن و افکار کو زندگی دینے والا ادارہ ہے۔ بقول حامد علی خاں مرحوم بلکہ ذاکر صاحب مکتبہ تجارتی ادارہ کی غرض نہیں رکھتا، یہ قوم، ملک کو نئی جہت اور نئی رخ سے آشنا کرنے کا منبع ہے۔اس کی بقا کی سمت توجہ خاص رکھنی چاہیے۔

کتاب نما کا ماہ جنوری ۲۰۰۷ء کا شمارہ دیکھا۔اس کے صفحہ ۹۶ پر خبر مرگ مونس بدایونی پڑھا۔ان کے والد کا نام احید الدین نظامی تھا نہ کہ وجیہ الدین۔صحت کرادیجیے گا۔ان کا آبائی مکان محلہ سوتھ بدایوں کو ذخیرہ کتب کا شرف حاصل تھا۔ ان کے بڑے بھائی لائق تھے مگر حالات نے ستم زدہ بنادیا تھا۔ خدا ان کو غریق رحمت کرے۔

جنوری کے شمارے میں صغرا مہدی کا مضمون اور سرور عالم کا مضمون لائق قدر ہے۔ پروفیسر منیب الرحمٰن کی ''یادیں'' ہر دل کی آواز بلکہ دھڑکن کے مماثل ہے۔

اگر ممکن ہو تو کتاب نما کا دس سال کا جائزہ قلم بند کرا کے اشاعت کرائیں اس سے نئی دنیا کو اس رسالہ کی اہمیت کا علم ہوگا اور مکتبہ جامعہ کو ایک نئی کتاب بھی میسر آئے گی مگر اس کا فیصلہ آپ سے متعلق ہے۔

☆ڈاکٹر شکیل احمد، قاسمی منزل دھومن پورہ، مئو

کتاب نما کا تازہ شمارہ فروری ۲۰۰۷ء چند روز قبل موصول ہوا۔ گوشہ بہت پسند آیا۔ خاص کر احمد ندیم قاسمی مرحوم سے متعلق ڈاکٹر سیما صغیر کا مضمون۔ کیونکہ میں نے اپنے ڈاکٹریٹ کے مقالہ ''اردو افسانوں میں سماجی مسائل کی عکاسی کی تیاری میں مرحوم کو خوب پڑھا تھا۔ میں نے مقالہ استاذی پروفیسر محمود الٰہی صاحب کی نگرانی میں گورکھ پور یونیورسٹی میں لکھا تھا۔ ۱۹۸۴ء میں یہ کتابی شکل میں شائع ہوا تھا محترم شاہ عبدالسلام صاحب نے کتاب نما کے لیے جامع تبصرہ فرمایا تھا۔

☆ احمد جاوید، عالم گنج، پٹنہ

جاوید رحمانی صاحب کی کتاب 'غالب تنقید' پر کتاب نما کے دسمبر ۲۰۰۶ء کے شمارے میں ڈاکٹر اطہر فاروقی کا تبصرہ معرکے کی چیز ہے۔ اردو تنقید میں اس نوعیت کے عالمانہ تحریروں کا فقدان ہمیشہ رہا ہے۔ غالبیات سے متعلق اپنے غیر معمولی علم اور فہم کا مظاہرہ کرتے ہوئے اطہر فاروقی نے اپنے مخصوص انداز میں اتنا بھاری پتھر غالبیات میں دلچسپی رکھنے والے نقادوں کے سامنے رکھ دیا ہے کہ اکثر اسے چوم کر ہی چھوڑ دیں گے۔

اطہر فاروقی کی بیشتر تحریروں کی طرح اس تبصرے نما مضمون میں بھی متعدد باتیں دلخراش نوعیت کی ہیں۔ خصوصاً محمد حسن عسکری سے متعلق اطہر فاروقی کے سخت ترین جملوں کی تاب عسکری کے معتقدین بالکل نہ لاسکیں گے۔ الٰہ آباد یونیورسٹی کے حوالے سے ترقی پسندوں پر اتنی گہری چوٹ شاید ہی کبھی کی گئی ہو۔ مضمون بغور مطالعہ اردو تنقید کے سنجیدہ قارئین کو اس نتیجے پر پہنچنے کے لیے مجبور کرتا ہے کہ شمس الرحمٰن فاروقی سے عقیدت کے باوجود (جو تبصرے سے پوری طرح عیاں ہے) اگر اطہر فاروقی نے محمد حسن عسکری کے خلاف اس نوعیت کی تحریر سپرد قلم کی ہے تو اس کا مقصد شمس الرحمٰن فاروقی کو اردو کا واحد عظیم نقاد ثابت کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ عسکری کے بت کو بے رحمی سے مسمار کیے بغیر شمس الرحمٰن فاروقی کو اردو تنقید کی مسند پر متمکن کرنا ممکن ہی نہیں۔ بہر حال یہ تبصرہ اردو کی علمی دنیا میں بہت روز یاد کیا جائے گا۔

☆ بھگوان داس اعجاز، بلجیت نگر، نئی دہلی

کتاب نما فروری ۲۰۰۷ء شمارہ حسب معمول بروقت ملا۔ احمد ندیم قاسمی پر گوشہ نکال کر آپ نے حق ادا کیا ہے۔ محسن احسان کا نذر ندیم گو بیس سال پہلے لکھی گئی تھی آج اس نظم نے شردھانجلی کا روپ لے لیا ہے۔ مرحوم کی جگہ اب ہمارے دلوں میں ہے۔ جمیل جالبی کے مضمون میں ایک دوست کے بچھڑنے کا دکھ اور محبت ہے۔ جلیل عالی کے مضمون میں بہترین اشعار متوجہ کرتے ہیں

اب وہ ہر قید و بند سے آزاد ہیں۔
خدا کے سامنے کس منہ سے جائیں گے خدا جانے
محبت کا کوئی دھبہ نہیں ہے جن کے دامن پر

ان کے افسانوں پر ڈاکٹر سیما صغیر کا مضمون بھی اچھا لگا۔ شوکت صدیقی اور منیر نیازی کو بھی آپ نے یاد کیا اور انھیں دل سے خراج عقیدت دیا۔ جانے والوں کو ہم سب کا سلام۔

☆ ڈاکٹر سید امین اشرف، بدر باغ، علی گڑھ

پروفیسر وارث کرمانی کی خود نوشت ''گھومتی ندی'' پر پروفیسر صغرا مہدی صاحبہ کا

تبصراتی مضمون آپ کے موقر رسالہ میں شائع ہوا تھا۔ اس مضمون کو پڑھ کر حیرت ہوئی کہ اتنی مقبول اور بلند پایہ تصنیف پر انھوں نے بیجا اعتراضات تخلیق کر لیے جس سے نہ صرف عورتوں کی بلکہ ہم مردوں کی بھی تذلیل کا پہلو نکلتا ہے۔ تحریر فرماتی ہیں۔ ''ایک قدیم تہذیب کے عظیم دانشور (مراد گھومتی ندی کا مصنف سے ہے) کے نزدیک ایک عورت کی یہ سب سے بڑی محرومی ہے کہ وہ اپنے جسم اور حسن کی سرعام نمایش نہ کر سکے اور حریص مردوں کی نظروں کا نشانہ نہ بن سکے۔'' یہ الفاظ لکھتے وقت کیا فاضل مضمون نگار یہ کہنا چاہتی ہیں کہ آج کی Sleeveless بغیر آستین والی فراک یا جمپر اور کھلے بال رکھنے والی خواتین اس ذلت آمیز بیان کی مستحق ہیں اور ایسا ہی لباس پہننے والی لڑکیوں کو پڑھانے والے استاد حریص مردوں کی نشانہ لگانے والی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ یہ بیسویں اور اکیسویں صدی تو کیا انیسویں صدی ہی کی قدامت پرست ذہنیت کی بات معلوم ہوتی ہے۔

اس مضمون میں حیدر خاندان جیسے روشن خیال اور معزز افراد کو بھی گھسیٹ لایا گیا ہے جنھوں نے مدتوں پہلے عورتوں کی قدامت پرستی کے خلاف آواز اٹھائی تھی۔ خود سجاد حیدر یلدرم نے جو اسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے بیسویں صدی میں اس ذہنیت کے خلاف تھے اور موجودہ علی گڑھ ویمنس کالج کے بانی نے ہندستان کی مسلمان عورتوں کو قدامت پرستی سے نکالنے کی جدوجہد کی تھی۔ ملاحظہ مضمون ''ترکی کی عورتیں اور شیخ عبداللہ'' مطبوعہ محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میگزین جلد ۳ نمبر ۳ مارچ ۱۸۹۶ء

اس مضمون میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ کرمانی صاحب کو حیدر خاندان کی سرپرستی پر ناز اور فخر ہے۔ اس کے باوجود انھوں نے اس خاندان کی دلآزاری کی ہے۔ گھومتی ندی کو اگر غور سے پڑھا گیا ہوتا تو پروفیسر صاحبہ کو معلوم ہوتا کہ کرمانی صاحب اودھ کے نابالغ تعلقہ دار تھے۔ اس وقت ان کی جان کی حفاظت اور نگہداری کے لیے ضلع کی انتظامیہ نے حیدر خاندان کا ایک ڈپٹی کلکٹر کو مامور کیا تھا اور ان کے تعلقہ سے کافی رقم ان کی پرورش اور تعلیم پر خرچ ہوتی تھی۔ اسے سرپرستی نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ ڈپٹی کلکٹر مذکور کے فرائض منصبی میں آتا ہے ہاں کرمانی صاحب کو اس روشن خیال اور ترقی یافتہ گھرانے سے بچپن ہی میں جڑ جانے اور اس کے تہذیبی اور ترقی پسندانہ ماحول سے متاثر ہونے پر فخر ہے۔ اسی لیے اپنی خود نوشت میں اس کا جابجا ذکر کیا ہے بلکہ اس کے دوسرے باب ''سایہ باغبان'' میں بہت تفصیل سے اس خاندان کی امتیازی خصوصیات بیان کی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ

...ر خاندان کو کرمانی صاحب پر بھی فخر و ناز
...نا چاہیے کہ ان کے قلم نے اس خاندان
... بہت سے افراد کو زندہ و تابندہ کر دیا ہے
...مستحق ہونے کے باوجود لوگ ان سے
...ف نہ ہوتے۔ یہ صحیح ہے کہ اس خاندان کا
...ت ذکر کیا ہے لیکن کرمانی صاحب کی
...یف نے اول الذکر کے بیان کی تصدیق
...دی ورنہ اہل علم ان کے ذکر کو خودستائی پر
...ل کر سکتے تھے۔ میرے اس اندیشے کی
...ریق ابھی حال میں لکھے ہوئے ایک
...مون سے کی جا سکتی ہے۔ متعلقہ اقتباس
...ج ذیل ہے۔

"وارث صاحب کا تعلق گو اودھ کا
...روف تعلقدار گھرانے سے ہے اور زندگی کا
...حصہ بھی انھوں نے اسی حیثیت سے گزارا مگر
... کی یہ سوانحی تحریر اس رعونیت اور طنطنہ سے
...اں بار نہیں جیسی کی سماجی احساس برتری سے
...شار اس طبقہ کے دیگر حضرات کی جس کے
...ت قرۃ العین حیدر کے سوانحی فکشن کی مثال دی
...سکتی ہے۔" (گھومتی ندی۔ خود نوشت۔
...ث کرمانی مضمون سید خالد قادری، سابق
...تاد انگریزی، عثمانیہ یونیورسٹی مطبوعہ ماہنامہ
...ب رس۔ حیدرآباد، جنوری ۲۰۰۷ء)

کرمانی صاحب حیدر خاندان کا ذکر
...ں محبت، دلسوزی اور سچائی کے ساتھ کیا ہے اور
... زبان انھوں نے استعمال کی اسے اردو نثر کا
شاہکار کہا جا سکتا ہے۔ اس میں مصنف کا بچپن
کی معصوم یادیں، نوعمری کا جوش اور زندہ دلی پائی
جاتی ہے۔ اس کی پیش نظر پروفیسر موصوفہ کا
تبصراتی مضمون پڑھ کر کتاب کے مصنف کو جو
دکھ ہوا ہوگا وہ وہی جانتے ہوں گے۔

....

☆ ظفر انصاری ظفر، جواہر لال نہرو یونیورسٹی، دہلی

کتاب نما کا تازہ شمارہ باصرہ نواز ہوا۔
شہریار کے ساتھ ساتھ منتظر قائمی کی غزل بھی پسند
آئی۔ ڈاکٹر زاہد الحق کا مقالہ اپنے عنوان کے اعتبار
سے قابل اعتراض ہے۔ انھوں نے عظیم آباد اسکول
کو گم شدہ دبستان بنایا ہے۔ عنوان سے لگتا ہے کہ
اس دبستان کی بازیافت کا سہرہ انھیں کے سر ہے۔
جناب سرور الہدیٰ کی کتاب نئی غزل پر جمال اویسی
کا مقالہ بھی غلط فہمی پیدا کرنے والا مقالہ ہے۔
جمال صاحب اہل نظر ہیں لیکن اس مقالے میں وہ
نئی غزل اور جدید غزل کے درمیان الجھے ہوئے نظر
آتے ہیں اور اس سے قاری بھی الجھن محسوس کرتا
ہے۔ شمس الرحمان فاروقی نے اپنے ایک مضمون
میں جو کہ نارنگ کے متعلق ہے لکھا ہے کہ تنقید کے
لیے ضروری ہے کہ اس میں کسی طرح کی کوئی پیچیدگی
نہ ہو۔ لہجہ اتنا صاف کہ ترسیل کا مسئلہ پیدا نہ ہو۔

بہر حال اس کے بعد کا شمارہ بھی دیدہ
زیب اور معیاری ہے۔ منیر نیازی احمد ندیم قاسمی اور
شوکت صدیقی سے متعلق مقالات معلوماتی ہیں
مظہر امام کی رثائی نظم بھی خوب ہے۔

ادبی و تہذیبی خبریں

پدم وبھوشن، پدم بھوشن اور پدم شری ایوارڈز

پروفیسر مشیر الحسن، مجتبیٰ حسین

ڈاکٹر محسن ولی اور ڈاکٹر سیدہ سیدین حمید

ایوارڈ سے سرفراز

مرکزی حکومت نے ۵۸ویں یوم جمہوریت کے موقع پر مختلف شعبہ ہائے زندگی کی سرکردہ شخصیات کو پدم وبھوشن، پدم بھوشن اور پدم شری ایوارڈ سے سرفراز کیا ہے ان میں اردو ادب اور مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والی اہم شخصیات بھی شامل ہیں جن میں اردو، ہندی اور انگریزی کے معروف صحافی خشونت سنگھ، جامعہ ملیہ اسلامیہ کے وائس چانسلر پروفیسر مشیر الحسن، برصغیر کے ممتاز طنز و مزاح اور معروف معالج محسن ولی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ خشونت سنگھ جہاں اردو کے صحافتی ادب میں نمایاں مقام رکھتے ہیں وہیں مجتبیٰ حسین نے اردو میں طنز و مزاح کو ایک نیا آہنگ دیا ہے۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ کے وائس چانسلر پروفیسر مشیر الحسن کا شمار ملک کے ممتاز تاریخ دانوں میں ہوتا ہے۔ ان کی تاریخ پر کئی کتابیں مقبول عام ہو چکی ہیں، بحیثیت وائس چانسلر جامعہ ملیہ اسلامیہ میں وہ نمایاں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ نئے نئے سینٹرز کا قیام عمل انہی کی کوششوں کا نتیجہ ہیں۔ حکومت ہند نے انھیں پدم شری کے اعزازات سے نوازا۔ پروفیسر مشیر الحسن جامعہ ملیہ اسلامیہ کے وائس چانسلر ہونے کے علاوہ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے بورڈ کے چیرمین بھی ہیں۔ ادارہ کتاب نما اور مکتبہ جامعہ لمیٹڈ انھیں تہہ دل سے مبارکباد پیش کرتا ہے۔

مجتبیٰ حسین نے بھی زندگی سے اپنے تعلق کو استوار رکھا ہے۔ ان کے مضامین میں زندگی کی نبض دھڑکتی ہوئی ملتی ہے۔ چاہے ان کا ہفت روزہ ''میرا کالم'' ہو، چاہے مضامین ہوں، سفرنامے ہوں، چاہے ان کے مرقعے۔ انھوں نے اپنے قلم میں زندگی کی روشنائی بھر رکھی ہے۔ زندگی جو پیہم رواں دواں ہردم جواں رہتی ہے۔ زندگی سے یہی اور ایسا ہی رشتہ قلم کار کو بھی زندہ و پایندہ رکھتا ہے۔ ورنہ وہ لوگ جو زندگی سے ارتباط نہیں رکھتے وہ زندہ رہتے ہوئے مر جاتے ہیں، لقمہ اجل ہو جاتے ہیں۔

دوسری جانب محسن ولی ماہر طب ہیں میں ان کی خدمات یقیناً اہمیت کی حامل ہیں انھیں قومی اور بین اقوامی سطح پر کئی مرتبہ اعزازات سے نوازا گیا ہے۔

چیف جسٹس پی این بھگوتی، نغمہ نگار

جاوید اختر سمیت اس مرتبہ مجموعی طور پر ۱۲۱ افراد کو پدم ایوارڈس کے لیے منتخب کیا گیا ہے جس میں ۱۰ افراد کو پدم وبھوشن، ۳۲ کو پدم بھوشن اور ۷۹ افراد کو پدم شری ایوارڈ دیے گئے ہیں۔ ملک کے اعلا ترین شہری اعزاز 'بھارت رتن' کے لیے اس مرتبہ کسی کو منتخب نہیں کیا گیا ہے۔ اس سال جن دس افراد کو پدم وبھوشن ایوارڈ کے لیے منتخب کیا گیا ہے ان میں قانون داں فالی ایس نریمن، قلم کار خشونت سنگھ، سابق داخلہ سکریٹری این این ووہرا، نریش چندر، سپریم کورٹ کے سابق چیف جسٹس پرفل چندر نٹورلال بھگوتی، امریکہ کے سدرشن اریـنکل چنڈی جارج، وینکٹ رمن کرشنا مورتی، آنجہانی راجہ راؤ اور پروفیسر بابو شنکرن شامل ہیں جن لوگوں کو پدم بھوشن ایوارڈ کے لیے منتخب کیا گیا ہے ان میں مشہور ماہر سماجیات بھیکو پاریکھ، سماجی کارکن ایلا گاندھی، شاعر گوپال داس نیرج، پیپسی کمپنی کی چیف ایگزیکٹیو اندرا نوئی، ٹاٹا اسٹیل کے سابق مینجنگ ڈائرکٹر جمشید جی ایرانی، نغمہ نگار جاوید اختر، امریکی ماہر اقتصادیات جیفری ڈی سیچ اور جاپانی صنعت کار اوسوزو کی شامل ہیں۔ فرانس کے مصور سید حیدر رضا، کولکاتا کے حکیم سید محمد شرف الدین قادری، سماجی کارکن موہنی گری، بھارتی ٹیلی کوم کے سربراہ بھارتی متل، کلاسیکی گلوکار راجن اور ساجن مشرا، فن کار طیب مہتا، سپریم کورٹ کے سابق چیف جسٹس کے ٹی تھومس کو بھی پدم بھوشن ایوارڈ سے نوازا گیا ہے۔

اس سال جن لوگوں کو پدم شری ایوارڈ سے نوازا گیا ہے ان میں اردو ادیب اور مزاح نگار مجتبیٰ حسین، دہلی کے ڈاکٹر محسن ولی، جامعہ ملیہ اسلامیہ کے وائس چانسلر مشیر الحسن، اترانچل کے سماجی کارکن خالد ظہیر، سماجی کارکن او۔قومی خواتین کمیشن کی سابق رکن اور پلاننگ کمیشن کی ممبر ڈاکٹر سیدہ سیدین حمید، مہاراشٹر کے ڈاکٹر یوسف خان محمد خان پٹھان اور حقوق انسانی کی کارکن تیستا سیتلواڑ شامل ہیں۔ پدم شری ایوارڈ یافتگان میں ادیب امیتابھ گھوش اور وکرم سیٹھ، کوریوگرافر استاد دیو، آئی آئی ایم احمد آباد کے ڈائریکٹر باکول دھولکیا، ملیالم اداکار بالچندر مینن، دہلی کی رقاصہ گیتا چندرن، گولف کھلاڑی جیو ملکھا سنگھ، شطرنج کی کھلاڑی کونیروہمپی، پوپ گلوکار ریمو فرنانڈیز بھی شامل ہیں۔ کیرالہ کے مشہور بنکر پی گوپی ناتھن، ایچ ایس بی سی بینک کے سربراہ نینا قدوائی، گلوکارہ شانتی ہیرانند، ترلا دلال، نیسکوم کے سربراہ کرن کارنک کو بھی پدم شری ایوارڈ کے لیے نامزد کیا گیا ہے۔

ادارہ کتاب نما مکتبہ جامعہ لمیٹڈ تمام انعام یافتگان کو تہہ دل سے مبارکباد پیش کرتا ہے۔

شمس الرحمٰن فاروقی کو

ڈی لٹ کی ڈگری

الہ آباد۔ نیشنل اردو رائٹرس ایسوسی ایشن کے سکریٹری خواجہ جاوید اختر نے اطلاع دی ہے کہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدر آباد کے وائس چانسلر اے ایم پٹھان کے مطابق اردو کے بین اقوامی شہرت یافتہ نقاد شمس الرحمٰن فاروقی کو ان کی تاحیات ادبی خدمات کے پیش نظر یونیورسٹی نے انھیں ڈی لٹ کی ڈگری سے سرفراز کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ اعزازی ڈگری فروری ۲۰۰۷ء میں یونیورسٹی کے سالانہ اجلاس کے موقع پر مرکزی وزیر ارجن سنگھ کے ہاتھوں دی جائے گی۔ واضح رہے کہ اس سے قبل علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ۲۰۰۲ء میں شمس الرحمٰن فاروقی کو ڈی لٹ کی ڈگری سے نواز چکی ہے۔ اس ڈگری کے دیے جانے کے اعلان کا ایسوسی ایشن تہہ دل سے خیر مقدم کرتی ہے۔

قطر کا عالمی فروغ اردو ادب

ایوارڈ ۲۰۰۷ء پروفیسر مغنی تبسم کو

نئی دہلی۔ گیارہویں مجلس فروغ اردو ادب ایوارڈ کے لیے اردو کے ممتاز اسکالر، نقاد اور ماہر اسلوبیات پروفیسر مغنی تبسم (عثمانیہ یونیورسٹی) کا انتخاب کیا گیا ہے۔

یہ ایوارڈ ڈیڑھ لاکھ روپے نقد، طلائی تمغہ اور سپاس نامہ پر مشتمل ہے جو ہر سال دوحہ قطر کی ایک شاندار تقریب میں پیش کیا جاتا ہے۔ اس سے پہلے یہ ایوارڈ ہندستان میں آل احمد سرور، قرۃ العین حیدر، کالی داس گپتا رضا، جوگندر پال، جیلانی بانو، سریندر پرکاش، گوپی چند نارنگ، صلاح الدین پرویز، نثار احمد فاروقی، قاضی عبدالستار اور پاکستان میں احمد ندیم قاسمی، اشفاق احمد، انتظار حسین، مختار مسعود، بانو قدسیہ، محمد خالد اختر، شوکت صدیقی، مستنصر حسین تارڑ، عبداللہ حسین اور ہاجرہ مسرور کو پیش کیا جا چکا ہے۔ پروفیسر مغنی تبسم کے نام کا اعلان پینل آف ججز نے کیا جس کے چیئرمین پروفیسر گوپی چند نارنگ اور اراکین جیوری پروفیسر محمد حنیف کیفی، پروفیسر محمد شاہد حسین اور پروفیسر ابن کنول تھے۔ اس سال پاکستان میں یہ ایوارڈ کراچی کے مشہور ناول نگار اسد محمد خاں کو دیا گیا ہے۔

پروفیسر مغنی تبسم اردو کے ممتاز اسکالر، نقاد اور ماہر اسلوبیات ہیں۔ وہ بیس برسوں سے بھی زیادہ عرصہ تک عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد کے شعبۂ اردو کے پروفیسر اور صدر رہے ہیں۔ اس وقت اردو کے سب سے بڑے تاریخی ادارے 'ادارۂ ادبیات اردو' کے جنرل سکریٹری اور ماہنامہ 'سب رس' کے

ایڈیٹر ہیں۔ فانی بدایونی پر ان کا تحقیقی اور اسلوبیاتی کام سب سے داد و تحسین وصول کر چکا ہے۔ اپنے تنقیدی مجموعوں بالخصوص 'لفظوں سے آگے' اور 'آواز اور آدمی' کے ذریعہ انھوں نے اپنی تنقیدی اور اسلوبیاتی انفرادیت کو تسلیم کرایا۔ اردو کے vanguard رسالہ 'شعر و حکمت' کے وہ برسوں سے مدیر اول ہیں جسے وہ ممتاز شاعر شہریار کے ساتھ مل کر نکالتے ہیں۔ پروفیسر مغنی تبسم صاحب کا شعری کلیات 'مٹی مٹی میرا دل' کے نام سے چند برس پہلے شائع ہو چکا ہے۔

پروفیسر مغنی تبسم کی پیدائش ۱۳ جون ۱۹۳۰ کو ہوئی۔ ان کی لگ بھگ بیس کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ ان کے علاوہ دو سو سے زیادہ مضامین رسائل و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ انھوں نے کئی نیورسٹیوں میں Extension lectures دیے ہیں جن میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ممبئی یونیورسٹی، میسور یونیورسٹی خاص ہیں۔ وہ ترقی پسند مصنفین ایسوسی ایشن آندھرا پردیش کے صدر ہیں۔ ان کو اب تک جو ایوارڈ اور اعزازات مل چکے ہیں ان میں یوپی اردو اکادمی ایوارڈ، بہار اردو اکادمی ایوارڈ، مغربی بنگال اردو اکادمی ایوارڈ، آندھرا پردیش اردو اکادمی ایوارڈ اور مہاراشٹر ساہتیہ اکادمی ایوارڈ شامل ہیں۔

علامہ اقبال ساہتیہ پر بھاگ انعام

پہلا انعام جامعہ ملیہ اسلامیہ کے طالب علم محمد ریاض عالم کو

ساہتیہ اکادمی کے اقبال ساہتیہ پر بھاگ کے ذریعہ ہر سال قومی سطح پر ''سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا'' کے شاعر علامہ اقبال کو مرکز بنا کر تحریری مقابلہ منعقد کیا جاتا ہے۔ سال ۲۰۰۷ء۔ ۲۰۰۶ء میں اس مقابلہ کا انعقاد کیا گیا جس کا موضوع ''علامہ اقبال کے کلام میں ہندوستان کی عظیم ہستیاں'' پر اعلا سطح کے مقالات موصول ہوئے اس مقابلہ میں دہلی یونیورسٹی دہلی انجمن کالج فارویمن بھٹکل، شری شیواجی کالج پربھانی، سرکاری پی جی کالج، ٹونک یونیورسٹی آف جے پور، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی، عثمانیہ کالج حیدرآباد یونیورسٹی، برکت اللہ یونیورسٹی بھوپال، مہارانی لکشمی بائی گرلس کالج، بھوپال، کستوربا گرلس کالج بھوپال اور سرکاری حمیدیہ کالج بھوپال سے ۳۱ مقالات موصول ہوئے۔ ساہتیہ اکادمی کے ڈائرکٹر ڈاکٹر دویندر دیپک، اقبال ساہتیہ پر بھاگ کے ڈپٹی ڈائرکٹر جھموں چھگانی نے بتایا کہ مقالات کے لیے بنائی گئی جیوری میں پروفیسر حسن مسعود، پروفیسر حیدر عباس رضوی اور پروفیسر اظہر راہی کے ذریعہ جانچ کا کام کیا

گیا۔ ۲۰۰۷۔ ۲۰۰۶ء کا پہلا انعام جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے محمد ریاض عالم نے حاصل کیا۔ دوسرا انعام دہلی یونیورسٹی، دہلی کے محمد ارشاد نے حاصل کیا۔ تین خصوصی انعام شری شیواجی کالج پربھانی کی تسنیم انجم، عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کی ناظمہ بیگم، اور دہلی یونیورسٹی دہلی کے نور عالم اعظمی نے حاصل کیا۔ جلد ہی انعام یافتگان کو اعزاز سے نوازا جائے گا۔

ہم غم میں برابر کے شریک ہیں

معروف شاعر اور محقق

ڈاکٹر محمد یعقوب عامر کا انتقال

نئی دہلی۔ معروف شاعر، ادیب اور محقق ڈاکٹر محمد یعقوب عامر ۶۹ کا طویل علالت کے بعد گذشتہ روز انتقال ہوگیا۔ وہ کافی عرصہ سے سانس کے عارضہ میں مبتلا تھے۔ موصوف کی تدفین شکور پور واقع قبرستان میں عمل میں آئی۔ ان کے پسماندگان میں تین بیٹے اور چار بیٹیاں شامل ہیں۔ ان کے کئی شعری مجموعے اور نثری کتابیں منظر عام پر آئیں جن میں سبزہ گفتار، شعلہ خس پوش، دست نارسا، آسمان خطوط، میر تقی میر کے ادبی معرکے اور اردو کے ادبی معرکے شامل ہیں۔ وہ ترقی اردو بیورو، ماہنامہ یوجنا اور ہمدرد سے بھی وابستہ رہے۔

ڈاکٹر محمد عامر کے انتقال پر مخمور سعیدی نے کہا کہ یعقوب عامر ایک بہترین شاعر سنجیدہ نثر نگار اور عمدہ انسان تھے۔ ان کے انتقال سے شعر و ادب میں جو خلا پیدا ہوا ہے اسے پر نہیں کیا جاسکتا۔ قاضی ابرار کرتپوری نے کہا کہ ان کی ادب پر گہری نظر تھی اور وہ ہمیشہ روایتی غزل کے پاسدار رہے۔

خوشنویس خلیل بجنوری کا انتقال

نئی دہلی۔ مشہور خوشنویس ماسٹر خلیل الدین بجنوری کا گذشتہ روز انتقال ہوگیا۔ ان کی عمر ۶۵ برس تھی۔ پسماندگان میں پانچ بیٹیاں شامل ہیں۔ مشہور ادیب انیس امروہوی نے یہ اطلاع دیتے ہوئے بتایا کہ ماسٹر خلیل الدین دمہ کے مریض تھے اور چند روز پہلے ہی انھیں بجنور سے لاکر نوئڈا کے ایک اسپتال میں داخل کرایا گیا تھا جہاں ان کا انتقال ہوگیا۔ ۶۰ کے دہے میں دلی میں قیام کے دوران وہ روزنامہ الجمعیۃ سے وابستہ رہے تھے۔ بعدِ نماز ظہر بجنور میں ان کے آبائی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

کارکنان مکتبہ جامعہ لمیٹڈ مرحومین کی مغفرت اور پسماندگان کے صبر جمیل کے لیے دعا گو ہے۔

آج سے تقریباً ۸۳ سال پہلے مکتبہ جامعہ ایک معمولی ادارے کی حیثیت سے قایم کیا گیا تھا لیکن اگر ہم یہ کہیں کہ آج یہ اردو کا ایک بڑا اشاعتی مرکز ہے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ ۸۲ سال کے اس طویل عرصے میں مکتبے نے دنیا کے سرد و گرم کا مقابلہ کیا اور ہر دور میں ادب کی شمع کو نہ صرف فروزاں رکھا بلکہ اس کو مشعلِ راہ بھی بنایا۔ اردو زبان کی خدمت اور ملک کو آنے والی ضرورتوں کے مطابق بنانے کے ساتھ ساتھ ایک صحت مند قومی احساس کی بیداری ہمارا نصب العین رہا ہے اور ہمیں اس منزل تک پہنچنے کے لیے دشوار گزار راہوں سے گزرنا پڑا ہے۔ ہم نے اب تک چھ ہزار سے زیادہ کتابیں شائع کی ہیں جو ہر طبقے میں شوق سے پڑھی جاتی ہیں۔

آج جبکہ قلمی اور ادبی کاموں کی راہوں میں دشواریاں بڑھتی جارہی ہیں، مکتبے نے ایک نئی قوت اور تازہ عزم کے ساتھ کام شروع کیا ہے اور ہمیں یقین ہے کہ جس طرح پہلے بھی ہم نے مشکلات کا صرف سامنا ہی نہیں کیا بلکہ ان کے درمیان راہیں ڈھونڈ نکالیں، اسی طرح آج بھی ان چٹانوں پر تیشہ زنی کرتے ہوئے آگے بڑھیں گے۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں گے اور پہلے کی طرح ہمارا ہاتھ بٹائیں گے۔
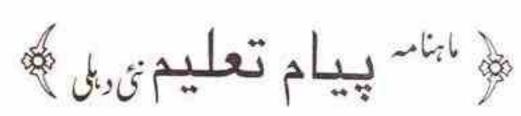
جنوری ۲۰۰۷ء

یادداشت

☆ براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت اپنا نام اور پتا اردو اور انگریزی میں صاف صاف تحریر فرمایئے۔

☆ ڈاک خانے اور مقام کا نام انگریزی میں لکھ سکیں تو اور بھی اچھا ہے۔ ایریا کوڈ نمبر بھی ضروری ہے۔

☆ اپنے آرڈر کے ساتھ کم از کم چوتھائی رقم پیشگی ضرور بھجوایئے۔ آرڈر کی تعمیل کرتے وقت بل میں سے یہ رقم کم کردی جائے گی۔

☆ اس مختصر فہرست کتب میں آپ کی مطلوبہ کتاب موجود نہ ہو تب بھی براہ کرم آپ ہمیں خط ضرور بھیجئے۔ ہم مطلوبہ کتاب فراہم کرنے کی حتی الامکان کوشش کریں گے۔

☆ مصارف ٹرانسپورٹ وغیرہ حسب قاعدہ خریدار کو ادا کرنے ہوتے ہیں اس لیے اپنی سہولت کے پیش نظر آرڈر میں اس کی وضاحت ضرور کردیجیے کہ کتابیں ڈاک سے بھیجی جائیں یا ٹرانسپورٹ سے۔

☆ کتابیں بذریعہ ٹرانسپورٹ منگوانے کی صورت میں متعلقہ ٹرانسپورٹ کا نام ضرور لکھ دیجیے۔

☆ کاغذ کی گرانی کی وجہ سے تقریباً ہر ادارے نے اپنی کتابوں کی قیمتوں میں اضافہ کردیا ہے۔ اس لیے آرڈر کی تعمیل کے وقت وہی قیمت چارج کی جائے گی جو اس وقت مقرر ہے۔

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے دفاتر:

صدر دفتر

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر
نئی دہلی۔110025
ٹیلی فون نمبر:011-26987295
011-32487966

شاخیں:

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، بھوپال گراؤنڈ،
نئی دہلی۔110025
فون نمبر:32468286

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ اردو بازار،
جامع مسجد، دہلی۔110006
ٹیلی فون: 011-23260668

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنس بلڈنگ
علامہ اقبال چوک، ممبئی۔400003
ٹیلی فون نمبر:022-23774857

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، یونیورسٹی مارکیٹ
اے۔ ایم۔ یو۔ علی گڑھ۔202002
ٹیلی فون نمبر:0571-2706142

مطبع

لبرٹی آرٹ پریس، 1528، پٹودی
ہاؤس، دریا گنج۔ دہلی110002
دریا گنج، نئی دہلی۔110002

e-mail:maktaba@ndfvsnl.net.in
e-mail:maktabaJamia@rediffmail.com.

E:\Feb

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کی نئی اور اہم مطبوعات

گمان اور یقین کے درمیان

صدیق الرحمٰن قدوائی

ہر فنی تخلیق مختلف زاویوں اور پہلوؤں سے اور مختلف کیفیتوں میں پڑھنے والے پر مختلف اثر ڈالتی ہے زیر نظر مجموعہ میں مصنف نے میر، سودا، نظیر اکبر آبادی، میر انیس، حالی، شبلی، خواجہ حسن نظامی، عبدالماجد دریابادی، جوش، فیض، اختر الایمان، مجروح، خلیل الرحمٰن اعظمی، مغنی تبسم، شمشیر، بہادر سنگھ، قرۃ العین حیدر، بلراج منرا، صبیحہ انور، حسین الحق، رشید حسن خاں ،آل احمد سرور، باقر مہدی کے فن کا جائزہ لے کر اپنے تاثرات کا اظہار خیال بہت ہی نپے تلے انداز میں کیا ہے۔

قیمت/200 روپے

ادب، ثقافت اور دانشوری

صدیق الرحمٰن قدوائی

ادب اور اس کے قاری کے درمیان ایک رشتہ ہمیشہ رہتا ہے اور وہ کبھی سیدھی لکیر پر نہیں چلتا اس آئینے میں سارے نشیب وفراز دیکھے جاسکتے ہیں گذشتہ چالیس پینتالیس سالوں میں مصنف نے جو کچھ بھی لکھا اسے اس مجموعہ مضامین میں یکجا کردیا گیا ہے۔

قیمت/225 روپے

آخری چوری (بچوں کے لیے)

غلام حیدر

اس کتاب میں بارہ ایسی کہانیاں شامل ہیں جسے پڑھ کر آپ کبھی مسکرائیں گے تو کبھی سوچ میں ڈوب جائیں گے اور کبھی کھلکھلا کر ہنس پڑیں گے۔ بچوں کے لیے ایک نادر و نایاب تحفہ۔

قیمت/25 روپے

تعبیر کی شرح شمس الرحمٰن فاروقی

شمس الرحمٰن فاروقی کی تنقید اور تخلیق کا مطالعہ کرتے ہوئے ہمیں ان کی تحریروں کے بین السطور میں ایک پُر اسرار اور توانا شے از اول تا آخر سفر کرتی نظر آتی ہے۔ نظری تنقید اور ادبی نظریات کا مطالعہ شمس الرحمٰن فاروقی کے خاص میدان رہے ہیں۔ زیر نظر مجموعے میں ان کی واضح اور استدلالی نثر، ان کا تجرِ علمی، اور ادب کی تفہیم و تعبیر کے نئے نئے پہلوؤں سے ان کی دلچسپی اور ادب کی تحسین اور قدر شناسی میں ان کی مہارت بخوبی نمایاں ہیں۔

قیمت:-/175 روپے

ادب ثقافت اور تہذیب کا آئینہ خانہ

انفرادی شعور اور اجتماعی زندگی

پروفیسر شمیم حنفی

ایک اہم کتاب جس میں اجتماعی زندگی اور انسانی صورت حال کے پس منظر میں آرٹ، ادب شاعری اور تخلیقی تجربے کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔

قیمت 175/-

شاہ ولی اللہ اور ان کے اصحاب

محمود احمد برکاتی

زیر نظر تصنیف فاضل اجل حکیم ڈاکٹر محمود احمد برکاتی صاحب کی محنت شاقہ کا نتیجہ ہے۔ حکیم صاحب اس کتاب کے موضوع پر ایک استناد کا درجہ رکھتے ہیں اور ان کی اس موضوع پر ایک سابقہ تصنیف ''شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان'' ہمارے علمی و تحقیقی ذخیرے میں بیش بہا اضافہ سمجھی گئی ہے۔ زیر نظر تصنیف میں حکیم صاحب نے اپنے اس موضوع کو مزید وسعت دی ہے اور نہایت وقیع اور ناگزیر مآخذ کی مدد سے بے حد اہم انکشافات کیے ہیں اور قیمتی معلومات کا خزانہ اہلِ علم کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ قیمت:- 175/-

صدر جمہوریہ ہند

ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام کی کہانی

پروفیسر ظفر احمد نظامی

ڈاکٹر اے۔ پی۔ جے۔ عبدالکلام ہمارے ملک کے نامور سائنس داں ہیں جنھیں ہندوستان کے گیارہویں صدر جمہوریہ بننے کا فخر حاصل ہے۔ اپنی زندگی کے بارے میں انھوں نے اپنی خود نوشت میں خود لکھا ہے کہ ''میری یہ کہانی جین العابدین کے بیٹے کی کہانی ہے جنھوں نے رامیشورم کے خیریے کی موسک، اسٹریٹ میں سو سال سے زیادہ گزارے اور وہیں انتقال کیا۔ یہ کہانی اس لڑکے کی ہے جس نے اپنے بھائی کی مدد کے لیے اخبار بیچے۔ یہ کہانی اس شاگرد کی ہے جس کی تربیت سبرامنیا ایّر اور آیا دورائی ساؤمن نے کی۔ یہ کہانی ہے اس طالب علم کی جسے پنڈالائی جیسے استاذ نے پڑھایا۔ یہ کہانی ہے اس انجینئر کی جسے ایم۔ جی۔ کے مینن نے دریافت کیا یہ کہانی ہے اس سائنسداں کی جس کی آزمائش ناکامیوں اور مایوسیوں میں ہوئی۔ قیمت:- 90/روپے

معاصر عہد کے ممتاز ادیبوں اور دانش وروں کی قلمی تصویریں

ایک انتہائی دلچسپ اور بصیرت افروز کتاب

ہم نفسوں کی بزم میں

پروفیسر شمیم حنفی

ہماری ادبی اور فکری روایت کا مرقع

''ہم سفروں کے درمیاں'' کی دوسری جلد۔

موجودہ دور کے ادبی اور فکری مسائل کو سمجھنے

کے لیے ان دونوں کتابوں کا مطالعہ ناگزیر ہے۔

قیمت:-/225 روپے

افسانے کی حمایت میں

(نظرثانی واضافہ شدہ اڈیشن)

شمس الرحمٰن فاروقی

داستان سے غزل کی کلاسیکی شعریات تک اور جدیدیت کی شناخت سے لے کر عروض ولغات تک، شمس الرحمٰن فاروقی کے تنقیدی عمل کا دائرہ وسیع بھی ہے اور ایسی بصیرت کا حامل بھی، جو معاصر اردو تنقید میں ایک منفرد مثال ہے۔

''افسانے کی حمایت میں'' جدید افسانے کی تنقید میں ایک سنگ میل کا درجہ رکھتی ہے۔

قیمت:-/175

دلّی کا سنبھالا خواجہ محمد شفیع دہلوی

(دہلی کی قدیم ٹکسالی زبان کا مرقع)

صاحب سنی سنائی بات ہے بڑوں نے کہا۔ ہمارے کان پڑی، آپ تک پہنچادی، پانچ پت آباد ہوئے۔ چار کا پتا چلتا ہے۔ پانچویں کا نشان نہیں ملتا۔ پانی پت، سونی پت، مارپت، باگ پت۔ خیال ہے پانچواں پت جو لاپتہ ہے دلّی بن گیا۔ دلی میں کیسی کیسی عظیم ہستیاں آباد ہوئیں اور برباد ہوئیں۔ اسی داستان کو مصنف نے 'دلّی کا سنبھالا' میں بڑی خوبصورتی سے پرو دیا ہے۔

قیمت:-/75 روپے

معاش اور معاشرت

پروفیسر اطہر رضا بلگرامی

معاش اور معاشرت مصنف کی تقریباً پینتیس برسوں کے دوران لکھے گئے مضامین کا انتخاب ہے۔ اس مجموعے میں کچھ مضامین معاشی فکر کے ترجمان ہیں اور کچھ معاشی ومعاشرتی زندگی کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ کچھ مضامین خالص سماجی ومعاشرتی ہیں، جہاں غیر مادی عوامل کی قوتیں زیادہ فعال نظر آئیں گی۔ امید ہے یہ منتخب مضامین نہ صرف اساتذہ، طلبا اور پرنٹ میڈیا سے متعلق ہستیوں کے لیے مفید ثابت ہوں گے بلکہ عام انسانی ذہن کو بھی عصر حاضر کی انسانیت میں رچی بسی اقتصادی تہذیب سے روشناس کرائیں گے۔

قیمت:-/175 روپے

لاکھوں مریضوں کے لیے قیمتی مشورے

ہمدرد ذیابطیس

☆اسباب ☆ علامات ☆ علاج

☆پرہیز ☆ غذا☆ ورزش

جدید ترین معلومات کی روشنی میں

ڈاکٹر محمد شعیب اختر

پروفیسر فزیالوجی، فارماکولوجی

زرعی یونیورسٹی، فیصل آباد

کے قلم سے

قیمت:-/40 روپے

سید عابد حسین: تہذیبی وسیاسی بصیرتیں

(ہفتے وار نئی روشنی کے حوالے سے)

مرتبین: اختر الواسع/فرحت احساس

ڈاکٹر سید عابد حسین ایک کثیر الجہات اور جامع الصفات شخصیت تھے، جنھوں نے لفظ و معنی اور اظہار و بیان کے مختلف اور متنوع شعبوں میں اپنے درّاک ذہن اور فکر رسا کے نقش قائم کیے اور اپنے طبع روشن سے جامعہ ملیہ اسلامیہ کے تہذیبی چراغ کو نہ صرف فروغ دیا بلکہ اسے اپنے زمانے کے علم وادراک کی روشنی کا ایک معیار بنانے میں نہایت اہم کردار بھی ادا کیا ہے۔

موجودہ کتاب ''نئی روشنی'' میں شامل عابد صاحب کے اداریوں اور دیگر تحریروں پر مشتمل ہے جو اس غرض اور یقین کے ساتھ یکجا کی گئی ہیں کہ ان میں ایسی تہذیبی اور سیاسی بصیرتیں اور رہنمائیاں موجود ہیں جو تقریباً نصف صدی گذر جانے کے بعد بھی بامعنی اور کارگر ہیں اور آج کے بدلے ہوئے حالات میں بھی ہمارے لیے روشنی اور تحریک کا باعث ہوسکتی ہیں۔ قیمت: -/275 روپے

اردو افسانے — تجزیے

پروفیسر حامدی کاشمیری

دور جدید میں نقاد کے لیے افسانے کی تخلیقی شناخت کی تعین کا کام ایک بڑا چیلنج ہے۔ حامدی کاشمیری نے اسی چیلنج کو قبول کرتے ہوئے اردو افسانے کے تخلیقی مضمرات کا پتا لگا کر اس کتاب میں سترہ افسانوں کے تجزیے شامل کیے ہیں، جس میں گزشتہ ادوار کے بعض افسانہ نگاروں کے ساتھ ساتھ بعض نئے افسانہ نگاروں کے افسانے بھی شامل ہیں۔ اردو ادب میں ایک نایاب اضافہ۔ طلبا اور اساتذہ کے لیے ایک اہم پیش کش۔

قیمت: -/225

یوروپی ادب کی کچھ نادر کہانیاں

مترجم: غلام حیدر

سولھویں صدی سے بیسویں صدی عیسوی تک انگریزی، اطالوی، ہسپانوی، جرمنی، روسی، فرانسیسی، امریکی اور دیگر یوروپی عظیم ادیبوں کے شاہکاروں کا سلیس ترجمہ۔　قیمت: -/225

تفسیر الفاتحہ　مؤلف: مشتاق احمد قریشی

(سورہ الفاتحہ کی عام فہم قرآنی تفسیر)

مشتاق احمد قریشی صاحب نے ساتوں آیات کو بڑے آسان اور دل نشین انداز میں مستند تفسیروں سے اخذ کر کے پیش کیا ہے اور اپنے اس مخصوص انداز کو اپنی دوسری تفسیری کتابوں کی طرح برقرار رکھا ہے کہ قرآن عظیم کی تفسیر قرآن ہی سے کی جائے۔ ''حمد''، ''رحمٰن''، ''رحیم''، ''مالک یوم الدین'' سے لے کر ''ضالین'' تک ہر لفظ اور اصطلاح کی تشریح قرآنی آیات کے ذریعے کی ہے۔ وہ تفسیر بالرائے سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں اور یہی راہِ نجات اور

قرآن فہمی کا صحیح طریقہ بھی ہے۔

ہدیہ:-/100 روپے

سورہ اخلاص

(سورہ الاخلاص کی عام فہم قرآنی تفسیر)

مؤلف: مشتاق احمد قریشی

سورہ الاخلاص کی یہ تفسیر جس انداز میں لکھی گئی ہے، یہ اپنے لحاظ سے یقیناً انوکھا اسلوب ہے اور وقتی تقاضوں کے عین مطابق اور اہل علم و دانش کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ امید ہے کہ قارئین اس سے اپنے اپنے ظرف کے مطابق ضرور مستفید ہوں گے۔ ہدیہ:-/100 روپے

معاذ اللہ

تخلیق آدم اور انسان کے ازلی دشمن شیطان کے عزائم اور اللہ کی قدرت اقتدار سے متعلق قرآنی آیات وتفسیر۔

مؤلف: مشتاق احمد قریشی

مؤلف نے قرآن و حدیث کے مطالعے سے بجا طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ قرآنی اور مسنون دعائیں شیطان کے ہر حملے کے خلاف ہمارا مؤثر ترین دفاع ہیں اور انھوں نے متعلقہ دعاؤں کو اس کتاب میں جمع کردیا ہے۔ یوں یہ کتاب قارئین کے لیے قرآنی دعاؤں کا نہایت اچھا مجموعہ بھی ہے۔ اس کتاب کے مطالعے سے ہر مسلمان رب کائنات کی پناہ کی افادیت کو اچھے انداز میں محسوس کرے گا اور تعلیمات پر عمل کر کے نہ صرف ایک اچھا مسلمان ثابت ہوگا بلکہ شیطان کے مکر و فریب اور گمراہی سے اسباب سے بھی محفوظ رہے گا۔ (زیرطبع)

سورہ الکافرون

(سورہ الکافرون کا عام فہم قرآنی تفسیر)

مؤلف: مشتاق احمد قریشی

سورۂ الکافرون کی اہمیت کو مشتاق احمد قریشی نے بڑے سلیقے سے اپنی تفسیر میں اجاگر کرتے ہوئے اپنے پڑھنے والوں کو بتایا ہے کہ رسول اکرم ﷺ فجر کی سنتوں میں سورۂ الکافرون اور سورۂ اخلاص کی تلاوت فرماتے تھے۔ دراصل یہ سورتیں توحید، خالص عبدیت اور گھر سے بیزاری کے ساتھ ساتھ مسلمان کو اپنے منشور ایمان اور مقصد حیات بھی یاد دلاتی ہیں۔

مؤلف نے اس عظیم سورہ کے پس منظر، معانی اور مختلف پہلوؤں کو معتبر تفاسیر کے حوالوں سے آج کی زبان میں آج کے پڑھنے والوں کے لیے پیش کردیا ہے۔ یقین ہے کہ اس کا مطالعہ قارئین کے لیے بے حد سودمند ہوگا۔ (زیرطبع)

تفسیر سورہ العصر

(سورہ العصر کا عام فہم قرآنی تفسیر)

مؤلف: مشتاق احمد قریشی

مشتاق احمد قریشی نے عصر کی تفہیم اور تشریح سلیقہ سے کی ہے۔ اس کے بعد انھوں نے ایمان، عملِ

صالح اور وصیت حق وصبر کی تشریح بہت احتیاط اور ذمے داری سے کی ہے۔ ''قرآن حکیم اپنی تفسیر آپ ہے'' اس حقیقت کو قریشی صاحب نے اپنے سامنے رکھ کر ذاتی رائے، خیال اور رجحان و میلان سے اپنے آپ کو بچاتے ہوئے ان تمام پہلوؤں کی تشریح قرآن عظیم کی آیات سے کی ہے، اردو داں قارئین کے لیے یہ کتاب سورہ العصر کی معانی و مفاہیم کو سمجھنے کے لیے ایک بیش بہا تحفہ ہے۔ (زیر طبع)

شہر میرے ساتھ چل تو

ندا فاضلی

ندا فاضلی آج کے دور کے اہم اور معتبر شاعر ہیں۔ وہ ان چند خوش قسمت شاعروں میں سے ہیں جو کتابوں اور رسالوں سے باہر بھی لوگوں کے حافظوں میں جگمگاتے ہیں۔ ان کی شاعری کی یہ خوبی انھیں ۱۶ ویں صدی کے ان سنت کویوں کے قریب کرتی نظر آتی ہے جن کے کلام کی زمینی قربتوں، روحانی برکتوں اور تصوری عبارتوں کو شروع سے ہی انھوں نے اپنے کلام کا اظہار بنایا۔

قیمت:-/100 روپے

مضامین خلیل الرحمٰن اعظمی (جلد اول)

مرتبہ: پروفیسر شہریار

خلیل صاحب نے ادب اور خصوصیت سے نئی شاعری پر بہت کچھ لکھا ہے اور ساتھ ساتھ انھوں نے نئی شاعری کے کلاسیکی سرمایے کا نئے انداز سے مطالعہ بھی کیا۔ اسی افادیت کے پیش نظر پہلی جلد میں کلاسیکی ادب سے متعلق مضامین شامل کیے گئے ہیں۔ طلبہ و اساتذہ کے لیے ایک مفید کتاب ہے۔

قیمت:-/150 روپے

مضامین خلیل الرحمٰن اعظمی (جلد دوم)

مرتبہ: پروفیسر شہریار

خلیل الرحمٰن اعظمی کے تنقیدی مضامین کی دوسری جلد بیسویں صدی کے اہم شعرا اور ادبی رجحانات سے متعلق مضامین پر مشتمل ہے۔

اس جلد میں شامل بیشتر مضامین میں معاصر ادب کی پرکھ کے لیے جو زاویہ اختیار کیا گیا ہے وہ آج کی تنقید کا مستند زاویہ نگاہ ہے۔ فراق، راشد، اختر الایمان، نئی شاعری، جدید غزل اور دوسرے اہم شعرا کو جس انداز سے سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ نئی تنقید نے بڑی حد تک اسی انداز کو اپنایا ہے۔

قیمت:-/200 روپے

افکار ذاکر

مرتبہ: اختر الواسع / فرحت احساس

ذاکر صاحب سراپا باعمل تھے، عمل کے ذریعے ہی انھوں نے اپنے افکار اور اپنے اقداری شعور کی تجسیم کی۔ انھوں نے جو کچھ بھی تحریری سرمایہ چھوڑا ہے اسے اردو نثر کے شاہکاروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس کتاب میں ذاکر صاحب کی انہی تحریروں کو مجتمع کیا گیا ہے۔

قیمت:-/175 روپے

البیرونی اور جغرافیۂ عالم

مولانا ابوالکلام آزاد

مذکورہ بالا کتاب ایک عرصے سے تقریباً ناپید تھی لیکن موضوع کی اہمیت اور صاحب مقالہ کے علمی وقار کے پیش نظر اس میں اہل نظر کی دلچسپی کبھی ختم نہیں ہوئی۔ اسی دلچسپی کے احترام، اسلام کی علمی میراث کی توسیع اور البیرونی کی یاد تازہ کرنے کی غرض سے اس کا ازسرنو عکسی اڈیشن شائع کیا گیا ہے، جس کا تقدیم وتحشیہ ضیاء الحسن فاروقی اور مسیح الملک نے لکھا ہے۔

قیمت:-/80روپے

Urdu Script Through English

جامعہ ملیہ اسلامیہ نے ۱۹۷۰ء میں اردو سیکھنے کے لیے اردو خط وکتابت کا ایک نیا شعبہ قائم کیا۔ اس شعبے نے ہندی کے ذریعے اردو سیکھنے کے لیے کتابیں شائع کیں جو بہت پسند کی گئیں۔ ان میں برابر ترمیم واضافہ ہوتا رہا۔ اردو اسکرپٹ تھرو انگلش کو جامعہ کے دس تجربے کار اساتذہ نے نئے سرے سے ترتیب دیا ہے، جسے مکتبہ جامعہ نے سلیقے سے شائع کردیا ہے۔

قیمت:-/60روپے

معلم تہذیب خواجہ غلام السیدین

مرتبین: اختر الواسع/فرحت احساس

بیسویں صدی کے ایک بڑے حصے پر پھیلی ہوئی ہندستانی مسلمانوں کی علمی اور دانشورانہ سرگرمیوں کا جائزہ لیا جائے تو خواجہ غلام السیدین کا انتہائی بیدار اور ہمہ گیر ذہن اپنی تازگی وتابندگی کے ساتھ بالکل الگ اور نمایاں نظر آئے گا۔ خواجہ صاحب پیدائشی معلم تھے۔ ان کی علمی تحریروں میں ذاتی جذبے کی جو آنچ محسوس ہوتی ہے وہ کسی اور کے یہاں بہت کم نظر آتی ہے۔ ان کے علمی مضامین کا نایاب تحفہ۔ قیمت:-/120روپے

ساتھ کھیل

راجندر سنگھ بیدی

سات کھیلوں میں وہی ڈرامے شامل ہیں جو زیادہ تر یونیورسٹیوں کے نصاب میں شامل ہیں۔ طلبا اور اساتذہ کے لیے اس کا دوسرا اڈیشن شائع کردیا گیا ہے۔ قیمت:-/60روپے

تعلیمی نفسیات کیا ہے

عصمت جہاں صدیقی

مصنفہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے آئی، اے، ایس، آئی شعبہ میں درس وتدریس کے پیشے سے وابستہ ہیں۔ علم نفسیات ان کا اہم موضوع ہے اور بچوں کے درپیش مسائل سے وہ بخوبی واقف ہیں۔ طلبہ کے ساتھ ساتھ اساتذہ کے لیے بھی ایک اہم کتاب۔ قیمت:-/60روپے

رحمت عالمؐ سید سلیمان ندوی

سیرت کے موضوع پر مولانا سید سلیمان

ندوی کی ایک ایسی کتاب جس میں سید کونین کی ۶۳ سالہ زندگی کے تمام واقعات نہایت سلجھے ہوئے انداز میں بیان کیے گئے ہیں۔

قیمت:-/18 روپے

تدریسی۔آموزشی، حکمت عملیاں

مرتبہ: ڈاکٹر محمد اختر صدیقی

اس میں تعلیمی تدریسی نفسیات اور عصری مقتضیات کو مدنظر رکھتے ہوئے مضامین شامل کیے گئے ہیں جن کے مطالعے سے نئے تدریسی نظام اور تدریسی طریق کار سے متعلق طلبہ اور اساتذہ کی معلومات میں اضافہ ہوگا۔ کتاب میں مشمولہ تمام مضامین روایتی تدریسی نظام سے مختلف نئے تدریسی مفاہیم سے آگاہی عطا کرتے ہیں۔ اس کے مطالعے سے تدریس کے پیچیدہ عمل کو آسان بنایا جاسکتا ہے۔

قیمت:-/150 روپے

اسلامی بصیرتوں کے عصری ترجمان

پروفیسر مشیر الحق

مرتبین: فرحت احساس/ اختر الواسع

زیر نظر کتاب کی اشاعت کا بنیادی مقصد مشیر صاحب کی علمی کاوشوں کے مطالعے اور تحقیق کی طرف اہل نظر کو متوجہ کرنا ہے تا کہ جو تفہیم و تعبیر اور تحقیق و جستجو کی راہیں انھوں نے کھولی تھیں، انھیں مزید وسعت دی جاسکے۔

قیمت:-/175 روپے

پطرس کے مضامین

ایس۔اے۔بخاری

بخاری فقروں اور لطیفوں کی تجارت نہیں کرتے تھے۔وہ خود ہر طرح کی متاع ہر جگہ پیدا کرلیا کرتے تھے اور نہ ہی تحریروں میں لطیفوں اور چٹکلوں کی پیوند لگاتے تھے۔ اسی ایک کتاب نے انھیں بلندی کے عروج تک پہنچادیا۔

قیمت:-/20 روپے

سرسید کی تعلیمی تحریک   اختر الواسع

زیر نظر کتاب میں مصنف نے سماجی پس منظر کا جائزہ لیا ہے، جس میں سرسید نے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کی بنیاد ڈالی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے سرسید کے طرز فکر اور ایک اعلا درجے کے تعلیمی ادارے کا نقشہ بھی پیش کیا ہے۔ طلبہ کے ساتھ ساتھ عام قارئین کے لیے بھی ایک مفید کتاب۔

قیمت:-/125 روپے

انارکلی   امتیاز علی تاج

''انارکلی'' ایک لافانی ڈراما ہے۔ زبان و تخیل اور کردار مناظر کے اعتبار سے بھی اور اسٹیج کے رموز و آداب اور اس سے پیدا ہونے والے تاثر کے اعتبار سے بھی۔ خوبصورت طباعت۔

قیمت:-/18 روپے

صوفیا کا بھگتی راگ شمیم طارق

صوفیا کرام نے وحدت حق سے والہانہ محبت اور وحدت انسانی سے بے پناہ رغبت کے احساسات مقامی بولیوں، گیتوں اور راگ راگنیوں میں بھی پیش کیے ہیں جن سے لطف تو سبھی اٹھاتے ہیں مگر ان نکتوں کو نہیں سمجھتے جو عارفانِ حق نے بڑی آسانی سے بیان کر دیے ہیں۔

شاعر و محقق جناب شمیم طارق نے تصوف اور بھگتی کو سمجھنے اور ان میں مماثلت و مغائرت کی نشاندہی میں بڑی عرق ریزی اور دیدہ دری کا مظاہرہ کیا ہے۔ ساتھ میں صاحب سرشاہ محمد کاظم قلندرؒ کے ہندی کلام "سانت رس" کے ادبی محاسن پر مولانا حافظ شاہ مجتبیٰ حیدر قلندر مدظلہ کا سیر حاصل مضمون بھی شامل ہے۔ قیمت:/100

خامہ خسرو

مرتبین: پروفیسر اختر الواسع/فرحت احساس

علی محمد خسرو ایک نہایت اعلا دماغ، مرتب ذہن، وسیع المشرب، نفیس الطبع اور لطیف جمالیاتی احساس کے حامل شخص تھے۔ ان کی ذہنی صلاحیتیں نہایت متنوع اور ان کے سروکار کا دائرہ نہایت وسیع تھا، اس کا اندازہ اس کتاب میں شامل ان کے مضامین سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس کتاب کے مطالعے کے بعد ان کے ذہن رسا اور انسانی مسائل سے ان کی گہری دردمندانہ دلچسپی کا بھی اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

قیمت:/-90 روپے

دانائے راز انا ماری شمل

مرتبین: اختر الواسع/فرحت اللہ خاں

مشہور عالم اور مشرقی خاتون پروفیسر انا ماری شمل کا خاص موضوع تصوف ہے ان کی تحریروں میں لفظ لفظ اس طرح بولتا ہے جیسے انھوں نے تصوف کو واقعی خوب خوب برتا ہو۔ اسی لیے وہ ڈھیرے ڈھیرے سارے عالم اسلام میں ایک ایسی خاتون دانا بینا کی صورت میں پیش ہوئیں جس کی شبیہہ میں رابعہ بصری اور جلال الدین رومی کے عکس اور آوازیں گھل مل گئی تھیں۔ اسی مجموعے مضامین میں شمل صاحبہ کے اسلامی فہم اور اسلامی مطالعات کی گراں قدر عطا کا اعتراف ملک کے ممتاز ادیبوں نے کیا ہے۔ اس کا پیش گفتار سید شاہد مہدی، شیخ الجامعہ، جامعہ ملیہ اسلامیہ نے لکھا ہے۔

قیمت:/-300 روپے

نظام خطبات شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی فروری ۱۹۹۴ء

ہندستانی معیشت اور بین اقوامی پس منظر

پروفیسر علی محمد خسرو

پروفیسر خسرو نے یہ خطبہ دو حصوں میں پیش کیا ہے۔ پہلے خطبہ کا عنوان "ہندستانی معیشت اور بین اقوامی پس منظر" ہے۔ دوسرے حصے میں ہندستانی معیشت اور بین اقوامی پس منظر کے ساتھ

ساتھ ہندو پاک کے سیاسی، سماجی، اور معاشی حالات پر عالمانہ تبصرہ بھی کیا ہے۔　　قیمت:-/45روپے

شوخیٔ قلم　　اسد رضا

اسد رضا ایک نامور صحافی کامیاب مترجم اور طنز و مزاح نگار ہیں۔ شوخیٔ قلم ان کے طنزیہ مزاحیہ مضامین کا مجموعہ ہے جس میں ان کے دو درجن سے زیادہ مضامین شامل ہیں۔ یہ مضامین نہ صرف اپنے قارئین کی حس مزاح کو برانگیختہ کرتے بلکہ آج کے پُر آشوب دور میں ان کے ذہنی تناؤ کو کم کرنے کا موقع بھی فراہم کرتے ہیں۔

قیمت: -/125

نئی دنیا کو سلام　　علی سردار جعفری

نئی دنیا کو سلام منظوم تمثیل نہیں بلکہ تمثیلی نظم ہے، اس کے کردار، کردار نہیں بلکہ علامتیں ہیں۔ کہانی پلاٹ نہیں بلکہ مبہم سا خاکہ ہے۔ سب سے اہم کردار وہ بچہ ہے جو ابھی پیدا نہیں ہوا، ابھی اس کے نقش بن رہے ہیں، وہ نئی دنیا کی علامت ہے، اس کی حسین اور معصوم روح پوری نظم پر حاوی ہے، پیش لفظ مرزا جعفر علی خاں اثر لکھنوی نے لکھا ہے۔

تیسرا عکسی اڈیشن　قیمت: -/30روپے

لھٰذا　　یوسف ناظم

یوسف ناظم کے اسلوب کی سب سے بڑی خوبصورتی یہ ہے کہ جس حقیقت کی بے نقابی کے لیے دوسرے لکھنے والوں کو پیراگراف کے پیراگراف اور کئی جملے استعمال کرنے پڑتے ہیں وہ اس کو صرف ایک جملے میں انتہائی سادگی سے بیان کر جاتے ہیں۔

میری ڈتھ کہتا ہے کہ طنز و ظرافت ایک دودھاری تلوار ہے۔ دودھاری تلوار کی یہ کاٹ یوسف ناظم کے مضامین میں ملتی ہے۔ قیمت:-/51روپے

ہماری اردو اور ہماری اردو ورک بک

(ترتیب شعبۂ اردو جامعہ ملیہ اسلامیہ)

مندرجہ بالا دونوں کتابوں کو شعبۂ اردو جامعہ ملیہ اسلامیہ کے قابل اساتذہ نے بڑی محنت اور جانفشانی سے ابتدائی اردو برائے انڈر گریجویٹ طلبہ کے لیے تیار کی ہیں جو کہ سینٹرل یونیورسٹی، جامعہ ملیہ اسلامیہ کے نصاب میں بھی شامل ہے۔

قیمت مکمل سیٹ-/85روپے

مولانا ابوالکلام آزاد۔ آزادی کی طرف

پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی

مولانا آزاد ایسے واحد مسلمان تھے جو سارے ہندستان کی طرف سے بولنے کا اختیار رکھتے تھے اور یہ اختیار انھوں نے اسلام کے انسانی عرفان، تابناک دانش وری، گہری تاریخی وسیاسی بصیرت اور ملک کی تقدیر کے ساتھ مکمل وابستگی کی بدولت حاصل کیا تھا۔ اور اسی کے زور پر وہ مہاتما گاندھی اور پنڈت نہرو جیسے قومی رہنماؤں کے ہم پلہ اور ہم مرتبہ ہو سکے۔ آج ہندستانی مسلمانوں کو

سخت سماجی، تہذیبی، مذہبی اور سیاسی سوالات درپیش ہیں۔ ان کے جوابات بڑی حد تک مولانا آزاد کی فکر اور عمل میں تلاش کیے جاسکتے ہیں۔ ایک نہایت اہم کتاب۔ قیمت:-/280 روپے

سوالوں میں رنگ بھرے

(سائنسی مضامین کا مجموعہ) وہاب قیصر

وہاب قیصر بنیادی طور پر سائنس کے مرد میدان ہیں۔ اردو میں آپ نے سائنسی موضوعات پر خاصے معیاری و معلوماتی مضامین تحریر کیے ہیں جو مختلف رسائل میں شائع ہوکر قبول عام سند حاصل کر چکے ہیں۔ اردو میں آپ کی ایک کتاب ''سائنس اور غالب'' کے موضوع پر شائع ہوکر کافی مقبولیت حاصل کر چکی ہے۔ مندرجہ بالا کتاب میں الکٹرانکس اور انفارمیشن ٹکنالوجی سے متعلق نہایت اہم مضامین شامل ہیں۔ قیمت:-/100 روپے

آیئے لکھنا سیکھیں شکیل اختر فاروقی

مسئلہ چند جملے لکھنے کا ہو یا ایک پیراگراف، خط نویسی کا ہو یا مضمون نگاری کا۔ ہم سب کو لکھتے وقت کچھ نہ کچھ دشواریاں ضرور پیش آتی ہیں۔ خصوصاً طالب علموں کے لیے لکھنے کا عمل واقعی ایک مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔ اس نئی کتاب ''آیئے لکھنا سیکھیں'' کے ذریعے جو برسوں کے تجربے کے بعد ترتیب دی گئی ہے۔ طلبہ کی تحریری صلاحیتوں کی بہتر نشوونما ہو سکے گی۔ قیمت-/45 روپے

آہنگ (مع غیر مطبوعہ کلام) اسرار الحق مجاز

مجاز بنیادی طور پر اور طبعاً غنائی شاعر ہے، اس کے کلام میں خطیب کے نطق کی کڑک نہیں، باغی کے دل کی آگ نہیں، نغمہ سنج کے گلے کا وفور ہے۔ یہی وفور مجاز کے شعروں کی سب سے بڑی خوبی ہے اور اس کی کامیابی کا سب سے بڑا امین۔ بیچ کے ایک مختصر سے دور کے علاوہ مجاز ہمیشہ نغمہ سنج رہا ہے۔ اس کے نغموں کی نوعیت بدلتی رہی لیکن اس کے آہنگ میں فرق نہ آیا۔ مجاز کے کلام میں پرانے شعرا کی سہولتِ اظہار ہے لیکن اس کی جذباتی سطحیت اور محدود خیالی نہیں۔ نئے شعرا کی نزاکتِ احساس ہے۔ اس کے ترنم میں چاندی کا سا فیاضانہ حسن ہے۔ قیمت:-/180 روپے

نوجوان ورٹر کا درد (گوئٹے)

ترجمہ: ثریا فاروقی

گوئٹے کے سینے میں دو روحیں تھیں۔ ایک تو شاعر کی، حسن پرست، عشق پرور، شورش انگیز، ہنگامہ خیز روح اور دوسری حکیم کی عرفان جو حق پسند، سکون طلب، نظم آفریں روح بظاہر تو یہ ورٹر کی داستان غم ہے جس کی بنیاد ویلزلر میں پڑی لیکن ورٹر میں اس کی سوانح حیات صاف جھلکتی ہے۔ یہ داستان غم خطوط کی شکل میں ہے۔ اس کی اشاعت کے بعد گوئٹے دنیائے ادب کی ممتاز و معروف شخصیت بن گیا۔ ترجمہ نہایت ہی سلیس اور عام فہم زبان میں کیا گیا ہے۔ قیمت:-/80 روپے

کتاب وسنت کے جواہر پارے

مولانا جمال الدین اعظمی

جو لوگ سچے مومن اور رضائے حق کے طالب ہیں ان کے لیے قرآن وسنت پر عمل کے بغیر دنیا و آخرت کی سلامتی اور کفر وفسق سے نجات ناممکن ہے۔ اس کتاب میں اسلامی تعلیمات کا ایک اہم اور ضروری حصہ شامل ہے اور قرآن و حدیث کے کچھ منتخب حصے بھی۔ یہ کتاب جامعہ ملیہ اسلامیہ کے نصاب میں بھی شامل ہے۔

قیمت:-/12 روپے

اسلامی عقائد مسائل ومذہب

مولانا جمال الدین اعظمی

عوامی عقائد اور دینی مسائل کے طلبہ اور عوام وخواص کے لیے ایسی کتاب مرتب کرنا جس سے ہر ایک مستفید ہو سکے، بڑا مشکل، بڑا دشوار اور سخت ذمے داری کا کام ہے۔ مولانا جمال الدین اعظمی نے یہ مشکل بے شمار کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد مکمل کیا۔ پیرایہ بیان سلیس اور عام فہم ہے۔

قیمت:-/25 روپے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازیں

مرتبہ: طاہر رسول قادری

نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ نے فرمایا: ''سیدھے راستے پر چلو۔ اعمال کا شمار نہ کیا کرو۔ اتنی بات یاد رکھو کہ تمام اعمال میں افضل نماز ہے اور وضو کی حفاظت کرنا مومن کی علامت ہے۔''

''نبی کریم کی نمازیں'' اسی موضوع کا احاطہ کرنے والی ہے۔ اس میں اللہ کے رسولؐ کی نمازوں اور طرزِ عمل کی تفصیلات ہیں جن کا احوال پڑھ کر پیروی کی جو تڑپ پیدا ہوتی ہے وہی ہمارا مطلوب و مقصود ہے۔ یہ کتاب اس بارے میں رہنمائی بھی دے گی اور تحریک بھی۔

قیمت:-/30 روپے

سرمایہ سخن (جلد اول) علی سردار جعفری

''سرمایہ سخن'' میں علی سردار جعفری نے اپنے اجتہادی ذہن کا ثبوت پیش کیا ہے۔ یہ کام لغت نویسی اور تذکرہ نگاری سے قطعی مختلف ہے اور معانی ومفاہیم کے لحاظ سے انھیں قلم بند کرنا کوئی معمولی کام نہیں ''رنگ برنگے ان اشعار میں محاورے کا چٹخارہ بھی ہے، زبان وبیان کا حسن بھی اور پیکر تراشی کا عمدہ نمونہ بھی۔ پیش گفتار سید شاہد مہدی وائس چانسلر جامعہ ملیہ اسلامیہ نے تحریر فرمایا ہے۔

قیمت:-/275 روپے

اردو کا ابتدائی زمانہ۔ ادبی تہذیب وتاریخ کے پہلو شمس الرحمن فاروقی

یہ کتاب اردو ادب کے ابتدائی زمانے کے بعض اہم پہلوؤں سے بحث کرتی ہے، جن کا تعلق لسانی اور ادبی تاریخ وتہذیب سے ہے۔ زبان کے

نام کی حیثیت سے لفظ اردو نسبتاً نو عمر ہے۔ جس زبان کو آج ہم "اردو" کہتے ہیں پرانے زمانے میں اسی زبان کو ہندوی، ہندی، دہلوی، گجری، دکنی اور پھر ریختہ کہا جاتا رہا۔ کتاب میں جن دیگر معاملات پر اظہار خیال کیا گیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔ گجرات اور دکن میں نظری تنقید اور شعریات کا طلوع، اس سلسلے میں امیر خسرو اور سنسکرت کے مرکزی کردار دہلی کا ادبی منظر نامہ پر دیر میں ورود لیکن دہلی کے ادبی سامراجی مزاج کے باعث غیر دہلی کے ادیبوں اور باہر والوں کا اردو کی فہرست استناد (Cenon) سے اخراج کی اٹھارویں صدی کی دہلی میں نئی ادبی تہذیب اور شعریات کا آغاز اصلاح زبان مہم اور "ایہام" کی تحریک کی حقیقت اور دہلی میں استادی رشاگردی کا ادارے کا قیام وغیرہ۔ قیمت:-/150 روپے

چند ارباب کمال

ڈاکٹر رحیم الدین کمال

یہ ان بزرگوں کی زندگیوں اور کارناموں کے مختصر خاکے ہیں جن کے فیض محبت، تعلیم وتربیت، خیالات اور افکار، شائستگی اور کردار نے سیکڑوں طلبہ کی زندگی کو جلا بخشی۔ انھیں میں ایک ڈاکٹر رحیم الدین کمال بھی ہیں۔ اس کتاب میں جن بزرگوں کے خاکے شامل ہیں وہ ہیں بابائے اردو مولوی عبدالحق، ڈاکٹر زور، مولوی منشی خلیل الرحمٰن، پروفیسر جمیل الرحمٰن، نواب بہادر یار جنگ، مولوی سجاد مرزا، نواب مہدی نواز جنگ، مولوی نصیر الدین ہاشمی اور محامد علی عباسی وغیرہ عثمانین کے لیے بہترین تحفہ۔ قیمت:-/250 روپے

سر سید اور سین ٹیفک سوسائٹی

(ایک بازیافت) پروفیسر افتخار عالم خاں

سائنٹیفک سوسائٹی اور اس سے وابستہ انسٹی ٹیوٹ کی مدد سے سر سید کس طرح مختلف مغربی علوم وفنون کو اردو میں منتقل کرنا چاہتے تھے اور انھوں نے اس منصوبے میں سائنسی ذہن پیدا کرنے اور انسانی وسائل کو جدید رویوں سے ہم آہنگ کرنے کا کیا خواب دیکھا؟ اس کی بہترین شہادتیں زیر نظر کتاب میں واضح، عام فہم اور منطقی انداز میں پیش کردی گئی ہیں۔ تقریظ سید شاہد مہدی وائس چانسلر جامعہ ملیہ اسلامیہ نے تحریر فرمائی۔

قیمت:-/150 روپے

معماران جامعہ (جامعہ ملیہ اسلامیہ)

پروفیسر ظفر احمد نظامی

شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین نے ۱۹۳۰ء میں کہا تھا "جامعہ جہاں اسلامیہ ہے وہاں دوسری طرف ملیہ بھی ہے اور اپنے اندر ایک طرف اسلامی روایات اور تعلیم کو زندہ کرے گی اور دوسری طرف متحدہ قومیت کی تعمیر اور اپنے وطن کی آزادی میں مساعی رہے گی۔ جامعہ ملیہ کا مقصد اس سے زیادہ واضح اور روشن اور کچھ نہیں ہوسکتا۔" بانیانِ جامعہ

اور رہنمایان جامعہ انھیں اغراض ومقاصد کی روشنی میں اسے پروان چڑھاتے رہے۔

شیخ الہند مولانا محمود حسن، حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، علی برادران، عبدالمجید خواجہ، مہاتما گاندھی اور ڈاکٹر ذاکر حسین بانیان جامعہ کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں اور معماران جامعہ میں ڈاکٹر عابد حسین، پروفیسر محمد مجیب اور شفیق الرحمٰن قدوائی شامل ہیں۔ بانیان جامعہ، معمار جامعہ کی زندگی کی داستان نہایت دلچسپ اور سبق آموز ہے۔ ان بزرگوں نے اپنی ذات سے اوپر اٹھ کر ملک وقوم کے تئیں جو خدمات سرانجام دی ہیں وہ تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ تابندہ رہیں گے۔

اس کتاب کی حیثیت ایک دستاویز کی ہے۔

قیمت:-/250 روپے

تعلیم وتربیت اور زندگی محمد اکرام خاں

اس کتاب میں مصنف نے رائج نظام تعلیم اور طریقہ تدریس کو بالکل ازکاررفتہ نہیں کہا بلکہ کامیاب زندگی کے لیے مزید کارآمد اور مفید بنانے کے لیے انتہائی اہم بتایا۔ قیمت:-/120

انتخاب غزلیات

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نے اسکول سے لے کر کالج اور یونیورسٹی کی سطح تک کے لیے جو انتخابات تیار کیے ہیں ہمیں خوشی ہے کہ عام طور پر ان کا خیر مقدم کیا گیا ہے۔ یہ انتخابات تجربہ کار اساتذہ اور زبان وادب کے ماہرین پر مشتمل ایک کمیٹی تیار کرتی ہے۔ اس کمیٹی کے پیش نظر مختلف ریاستوں میں مروج نصابات ہوتے ہیں چنانچہ شعبہ تصنیف وتالیف کی توجہ اس امر پر ہمیشہ مرکوز رہتی ہے کہ اس کے تیار کردہ انتخابات مختلف علاقوں کے طلبہ کے مطالبات اور ضرورتوں کی تکمیل کرسکیں۔ کئی کالجوں اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ نے اس انتخاب کو پسند کیا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ طلبہ کے لیے یہ انتخاب کارآمد ثابت ہوگا۔ ان کی سہولت کے لیے شامل انتخاب شعرا کے سوانحی اشاریے بھی دے دیے گئے ہیں۔ قیمت:-/51 روپے

اوراق ادب (انتخاب نظم ونثر)

مرتبین: ڈاکٹر سید محی رضا، ڈاکٹر آدم شیخ

''اوراق ادب'' کے مرتبین درس وتدریس کا طویل تجربہ رکھتے ہیں۔ مندرجہ بالا کتاب مرتبین حضرات نے بڑی محنت اور مطالعے کے بعد ترتیب دی ہے۔ اس انتخاب میں قدیم اور جدید ادبا، شعرا کی بہترین تخلیقات پیش کی گئی ہیں۔ بی۔اے اور بی۔ایس۔سی کے طلبہ کے لیے مفید کتاب ہے۔

قیمت:-/45 روپے

اقبال کا نظریۂ شعر اور ان کی شاعری

پروفیسر آل احمد سرور

اردو کے ممتاز نقاد اور دانشور پروفیسر آل احمد سرور کا مایۂ ناز خطبہ جو دہلی یونیورسٹی میں نظام

خطبات کے تحت ۷۷۔۱۹۷۸ء میں پیش کیا گیا۔ اس خطبے میں سرور صاحب نے اقبال کے نظریہ شعر کے بارے میں نہایت فکر انگیز خیالات پیش کیے ہیں۔ قیمت:-/45روپے

(نظام اردو خطبات کا ۱۹واں خطبہ)

داستانِ امیر حمزہ شمس الرحمٰن فاروقی

''داستان، زبانی بیانیہ، بیان کنندہ اور سامعین'' کے عنوان سے اردو کے ممتاز نقاد اور شاعر شمس الرحمٰن فاروقی نے شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی میں فروری ۱۹۹۸ء میں پیش کیا۔ اب یہ اہم خطبہ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نے شائع کر دیا ہے۔ قیمت:-/60روپے

بازار میں نیند (ڈرامے)

پروفیسر شمیم حنفی

پروفیسر شمیم حنفی کے ڈراموں کا چوتھا مجموعہ ہے۔ اس کے ڈرامے جیتی جاگتی آنکھوں کا تجربہ ہیں۔ قیمت:-/75روپے

ماضی کے دریچے سے ڈاکٹر شوکت اللہ

اس کتاب میں شامل زیادہ تر مضامین ان قدیم تاریخی عمارتوں سے تعلق رکھتے ہیں جو اب ہمارے لیے ایک عظیم تاریخی سرمایے کی حیثیت حاصل کر چکی ہیں۔ ان میں کچھ عمارتیں Workd Heritage کی فہرست میں بھی شامل کی جا چکی ہیں۔ تحقیقی کام کرنے والوں اور تاریخ کے طلبہ کے لیے نہایت اہم کتاب۔ قیمت:-/75روپے

فکر انسانی کا سفر ارتقا

خواجہ غلام السیدین

نظام اردو خطبات کا آغاز شعبہ اردو، دہلی یونیورسٹی کے زیر اہتمام ۲۵رفروری ۱۹۶۶ء کو ہوا۔ اس کا افتتاح ڈاکٹر ذاکر حسین نے کیا اور صدارت ڈاکٹر سی، ڈی، دیش مکھ وائس چانسلر دہلی یونیورسٹی نے فرمائی۔ ملک کے دیدہ ور ماہر تعلیم پروفیسر غلام السیدین نے مندرجہ بالا عنوان پر دو لیکچرز دیے۔ اب اس خطبے کا تیسرا اڈیشن شائع کیا جا رہا ہے۔ قیمت:-/45روپے

غالب کی شخصیت اور شاعری

رشید احمد صدیقی

یہ نظام اردو خطبات کا چوتھا خطبہ ہے جس کو ملک کے مایۂ ناز طنز و مزاح نگار رشید احمد صدیقی صاحب نے پیش کیا ہے۔

(تیسرا اڈیشن) قیمت:-/45روپے

پارۂ عم اردو اور انگریزی میں

ترجمہ مع تشریح اور عربی متن

حکیم محمد سعید صاحب مرحوم نے نوجوانوں کے مرتبہ فکر و علم کو سامنے رکھتے ہوئے قرآن حکیم کے تیسویں پارے کا آسان اردو انگریزی ترجمہ اور تشریح مع عربی متن پیش کیا ہے۔ انگریزی ترجمہ تبحر عالم عبداللہ یوسف علی کا نتیجہ

فکر ہے۔ آج کا نونہال خواہ اردو میڈیم کا طالب علم ہو یا انگریزی میڈیم کا پارۂ عم کو پڑھنے اور سمجھنے میں اسے کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ اپنے نونہالوں کو پارۂ عم تحفے کے طور پر پیش کیجیے۔ (زیر طبع)

۱۰۰ ذائقے (نوجوان بچیوں کے لیے)

شمیم وحید

کھانا پکانا ایک فن ہے اور لڑکیوں کو یہ فن آنا چاہیے۔ کھانا خوش ذائقہ ہو، صحت مند ہو اور خوبصورتی سے پیش کیا جائے تو غذا جزو بدن بن جاتی ہے۔ اس کتاب میں ۱۰۰ کھانے ہیں اور سو ہی ذائقے۔ نوجوان بچیوں کو کھانا پکانے کا فن سیکھنے میں اس کتاب سے یقیناً مدد ملے گی۔

قیمت:-/60 روپے

قاری سے مکالمہ پروفیسر شمیم حنفی

فکشن، شاعری اور تنقید و تخلیق مضمرات پر مضامین کا مجموعہ قیمت:-/150 روپے

پانچ جدید شاعر حمید نسیم

اس مجموعے میں اردو کے پانچ جدید شاعر فیض احمد فیض، میرا جی، حامد مدنی، ن۔م۔ راشد اور ضیا جالندھری کا تعارف، شخصیت و کردار کی کچھ جھلکیاں، ان کا مختصر کلام اور کلام پر تبصرہ شامل ہے۔ قیمت:-/210 روپے

اعلا تعلیم ڈاکٹر ذاکر حسین

مترجم: مسعود الحق

اس کتاب میں (سابق صدر جمہوریہ ہند) ڈاکٹر ذاکر حسین کے ایسے ۱۴ خطبات شامل ہیں جو موصوف نے ہندستان کی مختلف یونی ورسٹیوں میں جلسہ تقسیم اسناد کے موقع پر دیے تھے۔ یہ خطبات تعلیم سے متعلق ہیں۔

قیمت:-/120 روپے

اردو زبان وادب کے فروغ میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کا حصہ

مرتبہ: صغرا مہدی

جامعہ ملیہ اسلامیہ نے ابتدا ہی سے اردو کی تعلیم اور فروغ میں نمایاں رول ادا کیا ہے۔ اس مجموعہ مضامین میں جامعہ کے اساتذہ اور قدیم طلبہ نے بتایا ہے کہ جامعہ نے صحافت، تحقیق، نثر نگاری، ڈراما نگاری اور بچوں کے ادب کے لیے کس پایے کا کام کیا ہے۔

قیمت:-/75 روپے

ڈسپلن کی تعلیم و تربیت

ڈاکٹر محمد اکرم خاں

اس کتاب کا مرکزی نقطہ بچے کی "داخلی ڈسپلن" ہے۔ اس کے لیے والدین اور اساتذہ میں روشن خیالی کے ساتھ ساتھ جس صبر وضبط کی

ضرورت ہے اس کو واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔
قیمت:-/90 روپے

الجھنیں
عبداللہ ولی بخش قادری

یہ کتاب قاری کو نہ صرف اپنی ذات اور اپنے ماحول کو سمجھنے اور برتنے کے لیے آمادگی پیدا کرے گی بلکہ نفسیاتی تہہ داری نیز ان کی موجودہ الجھنوں کو رفع دفع کرنے اور نئی الجھنوں سے بچانے کا موجب بھی ہو سکتی ہے۔
قیمت:-/60 روپے

آخر کار
مجتبیٰ حسین

عہد حاضر کے سب سے زیادہ مقبول مزاح نگار کے مضامین کا نیا مجموعہ جسے ایک بار پڑھنے کے بعد بار بار پڑھنے کو دل چاہے گا۔
قیمت:-/60 روپے

طب یونانی اور چیلنجز
حکیم اشہر قدیر

اس تصنیف کا مقصد یہ ہے کہ حلقہ طب اجتماعی طور پر ان مسائل سے واقف ہو جو طب کے مقابل چیلنج بن کر کھڑے ہیں اور مشترکہ طور پر اس فن کی فلاح و بہبود کے لیے کام کریں۔ اپنی نوعیت کی اہم کتاب۔
قیمت:-/60 روپے

لفظوں کی انجمن میں
ڈاکٹر سید حامد حسین

یہ کتاب آپ کے اس تجسس کو بڑی حد تک تشفی بخشے گی جب آپ کو یہ معلوم کرنے کی خواہش ہوگی کہ یہ لفظ کہاں اور کیسے ہماری زبان میں آیا۔
قیمت:-/135 روپے

فراق دیار شب کا مسافر
مرتبین: شمیم حنفی / سہیل فاروقی

فراق کے غیر مطبوعہ مضامین انٹرویو، شخصیت، شاعری، نثری جائزے، معروف ادیبوں کے قلم سے۔
قیمت:-/150 روپے

بیاں اور
اختر سعید خاں

اردو کے ممتاز شاعر اور ادیب اختر سعید خاں کے دس بلند پایہ مضامین کا تازہ ترین مجموعہ۔
قیمت:-/144 روپے

تعبیر و تفہیم
ڈاکٹر خلیق انجم

ڈاکٹر خلیق انجم کا نام اب اردو دنیا کے لیے نیا نہیں ہے۔ موصوف کے کئی ادبی، تنقیدی اور تحقیقی مضامین کے مجموعے منظر عام پر آکر داد تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ زیر نظر مجموعے میں بھی بیشتر مضامین تحقیقی ہیں۔
قیمت:-/135 روپے

سلاخ ٹوٹتی ہے
کشمیری لال ذاکر

کشمیری لال ذاکر کے پانچ ریڈیائی ڈراموں کا تازہ ترین مجموعہ۔
قیمت:-/51 روپے

فرہنگ اصطلاحات طب

(انگریزی، اردو)

GLOSSARY OF MEDICAL TERMS

(ENGLISH - URDU)

مصنف: ڈاکٹر اختر امرتسری

نظر ثانی ترمیم واضافہ: مسعود احمد برکاتی

اس کتاب میں عام عربی، فارسی، اصطلاحی الفاظ کے بجائے اردو کے آسان الفاظ کو ترجیح دی گئی ہے۔ میڈیکل سائنس کے شعبے میں یہ اصطلاحی لغت ترجے کی ضرورتوں کو یقیناً پورا کرے گی۔ طب کے اساتذہ وطلبہ کے لیے مفید لغت۔

قیمت:-/45روپے

معاصرین ومتعلقات

مولانا ابوالکلام آزاد

عبدالقوی دسنوی

پروفیسر عبدالقوی دسنوی کا نام آزاد شناسوں کی صف میں خاصا نمایاں ہے۔ اس کتاب میں مولانا آزاد کے ساتھ ساتھ ان کے معاصرین کا ذکر بھی تفصیل سے کیا گیا ہے۔

قیمت:-/60روپے

جو رہی سو بے خبری رہی (خودنوشت)

ادا جعفری

بدایوں کی ایک بڑی اور پرانی حویلی کی اونچی دیواروں کے درمیان پرورش پانے والی ایک ذہین اور حساس لڑکی کی آپ بیتی، جس کی حیثیت آج اردو شاعری میں خاتون اوّل کی ہے۔

قیمت:-/200روپے

اخلاقیات طبیب — حکیم محمد سعید

حقیقت یہ ہے کہ طبیب کے لیے علم میں مہارت جتنی ضروری ہے اتنی ضروری اخلاقی رفعت بھی ہے۔ یہ کتاب اس دور میں طب کے ہر ماہر اور ہر طالب علم کے لیے ایک اخلاقی معلم کی حیثیت رکھتی ہے۔ قیمت:-/20روپے

منجملہ — یوسف ناظم

اردو کے ممتاز مزاح نگار یوسف ناظم کے سولہ دلچسپ مضامین کا تازہ ترین مجموعہ۔ پڑھیے اور سر دھنیے۔ قیمت:-/51روپے

تصوف: رسم اور حقیقت

خواجہ حسن ثانی نظامی

تصوف کی تاریخ، صوفیہ کے نظام حیات تعلیمات، ہندستانی سماج پر صوفیہ کے اثرات اور ان سے متعلق دوسرے سوالات پر روشنی ڈالنے والی اپنی نوعیت کی پہلی کتاب جس میں برصغیر ہند و پاک میں رائج جملہ صوفی سلسلوں کے مکمل شجرے بھی دیے گئے ہیں۔

(زیر طبع)

مستقبل کی طرف

مرتبین: خواجہ محمد شاہد، خالد کمال فاروقی

مولانا محمود حسن کے خطبہ تقسیم اسناد (جامعہ ملیہ اسلامیہ) سے لے کر آج تک کے تمام خطبات کا مجموعہ۔ ایک اہم تاریخی دستاویز۔

قیمت:-/150 روپے

قلم اور قدم سید حامد

ہمارے تہذیبی، تعلیمی، لسانی، معاشرتی مسائل کا بے لاگ اور ہمدردانہ تجزیہ۔ ہمارے عہد کے ایک ممتاز دانشور اور سماجی مبصر کے قلم سے۔ ان مضامین کا اہم ترین پہلو جیتی جاگتی زندگی کے مسائل اور معاملات سے ان کا گہرا تعلق ہے۔

قیمت:-/75 روپے

مفکرین تعلیم ڈاکٹر محمد اکرام خاں

تعلیم کا کام درحقیقت پیغمبرانہ کام ہے۔ اس اہم اور نیک کام کے لیے جن اہم ۱۴ ملکی و غیر ملکی ماہرین تعلیم نے اپنے زریں خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اس کتاب میں ان کے خیالات ان کا فلسفہ ان کی سوانح مختصر مگر جامع انداز میں پیش کی گئی ہے۔

قیمت:-/120 روپے

گاہے گاہے روبین لارنس

اردو کسی خاص مذہب یا کسی خاص طبقے کی زبان نہیں۔ یہ ان کی زبان ہے جو حساس دل رکھتے ہیں۔ لارنس ریاضی داں ہیں۔ عیسائی مذہب کے پیرو ہیں۔ اردو میں لگ بھگ ۴۰۔۳۵ سال سے شاعری کر رہے ہیں۔ اشعار پڑھیں گے تو جھوم جھوم جائیں گے۔ اس شعری مجموعے کا مقدمہ ڈاکٹر عابد رضا بیدار نے سپرد قلم کیا ہے۔

قیمت:-/30 روپے

سرسید سے اکبر تک

مرتبین: شمیم حنفی رسہیل فاروقی

سرسید اور ان کے عہد کا مطالعہ ہمارے ماضی حال اور مستقبل کا مطالعہ ہے۔ یہ کتاب سرسید کے عہد کو سمجھنے اور پرکھنے کے لیے نہایت مددگار ثابت ہوگی۔

قیمت:-/90 روپے

سیاہ فام ادب

مرتبین: شمیم حنفی رسہیل فاروقی

ایک نئی زندہ اور متحرک حسیت کا منظرنامہ سیاہ فام جمالیات اور سیاہ فام ادب پر اردو میں اولین کاوش۔ آج کے ادبی مزاج کو سمجھنے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ ناگزیر ہے۔

قیمت:-/40 روپے

خامہ بگوش کے قلم سے

۱۹۸۳ء تا ۱۹۹۰ء کے طنزیہ مزاحیہ کالموں کا انتخاب، جلد اول

مرتبہ: مظفر علی سید

عہد حاضر کے سب سے زیادہ مقبول اور

سب سے زیادہ پڑھے جانے والے کالموں کا مجموعہ جس کا اردو والوں کو بڑی بے چینی سے انتظار تھا جو رنگین بھی ہے اور سنگین بھی۔ (زیرطبع)

رنگ، خوشبو، روشنی — قتیل شفائی

قتیل شفائی کی آواز شاعری کی اسی جادو اثری کی آواز ہے جس نے اندھیرے میں بھی ایک جوت جلا رکھی ہے۔ قتیل شفائی کے چودہ شعری مجموعوں کا انتخاب۔ قیمت:-/80 روپے

اشارات قلب — سید اسلم

اشارات قلب میں ڈاکٹر سید اسلم نے سادہ وسلیس زبان میں دل کی صحت تکالیف، اسباب، متعلقہ مسائل نہایت اختصار کے ساتھ مع ضروری ہدایات پیش کیے ہیں۔ قیمت:-/20 روپے

مولانا ابوالکلام آزاد

(فکر ونظر کی چند جہتیں)

پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی

اس کتاب میں مولانا آزاد کے افکار و خیالات اور ان کی علمی وعملی سرگرمیوں کے قومی وملی محرکات کو نئے زاویہ سے دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یقیناً ان مضامین میں قارئین کو مولانا سے متعلق بعض نئی معلومات بھی ملیں گی۔

قیمت:-/60 روپے

جدید ادبی تحریکات وتعبیرات

سید حامد حسین

اس مجموعے میں ۲۲ مضامین شامل ہیں جو ۱۹۶۴ء ۱۹۹۴ء کے عرصے میں لکھے گئے ہیں اور اس دوران اردو کے ادبی منظر نامے میں جن تحریکات وتعبیرات کی کارفرمائی نظر آتی ہے ان کے بعض اہم پہلوؤں کو بحث کے ذریعے اجاگر کیا گیا ہے۔

قیمت:-/51 روپے

طراز دوام — اختر سعید خاں

غزل کا فن نرم آنچ سے جلا پاتا ہے، بھڑکتے شعلوں سے نہیں۔ وہ ایک آنسو ہے پلکوں پر ٹھہرا ہوا، ایک تبسم ہے ہونٹوں پر پھیلا ہوا۔ کبھی اس کے تبسم میں اشک کی نمی ہوتی ہے تو کبھی اشکوں میں تبسم کی جھلک۔ یہ ساری خوبیاں اس شعری مجموعے میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ قیمت:-/51 روپے

فارسی داستان نویسی کی مختصر تاریخ

ڈاکٹر مومن محی الدین

ڈاکٹر مومن محی الدین کا شمار جدید فارسی ادب کے اسکالرز میں ہوتا ہے۔ موصوف نے بڑی محنت اور لگن کے ساتھ فارسی داستان نویسی کی تاریخ مرتب کی ہے، جو مختصر بھی ہے اور جامع بھی۔

قیمت:-/45 روپے

سیر کردنیا کی غافل ڈاکٹر صغرا مہدی

ڈاکٹر صغرا مہدی کا نام اردو دنیا میں اب کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ مندرجہ بالا کتاب آپ کے پانچ سفرناموں کا مجموعہ ہے۔ اس کتاب میں ڈاکٹر خالد محمود کا ان سفرناموں پر تبصرہ اور یوسف ناظم کا ایک دلچسپ خاکہ بھی شامل ہے۔ قیمت:-/51 روپے

کاسۂ خیال عبدالمعروف خاں چودھری

معروف صاحب حقیقی شاعر ہیں جو خیال کو جذبے میں تبدیل کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ ان کے یہاں فکر اپنی تجریدی شکل میں نہیں ملتی۔ ان کا تشبیہی تخیل، علامتوں، استعاروں اور حسی پیکروں میں اپنی کارفرمائی دکھاتا ہے جس کا بخوبی اندازہ آپ اس شعری مجموعے کے مطالعے سے لگا سکتے ہیں۔ قیمت:-/51 روپے

انشائے غالب مرتبہ: رشید حسن خاں

مرزا غالب نے ضیاء الدین خاں کی فرمائش پر نثر و نظم کا جو انتخاب تیار کیا تھا اس میں مرزا غالب کے قلم کی تصحیحات ہیں جو ڈاکٹر عبدالستار صدیقی (مرحوم) کے پاس محفوظ تھیں۔ انھوں نے اس کے حواشی لکھ لیے تھے لیکن مقدمہ نہیں لکھ پائے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد مالک رام نے اس کا مقدمہ لکھا اور مزید حواشی لکھے۔ رشید حسن خاں نے اب مختصر پیش لفظ کے ساتھ اس انتخاب کو سارے متعلقات کے ساتھ مرتب کیا۔ آخر میں اصل خطی نسخہ کا عکس بھی شامل ہے۔ قیمت:-/60 روپے

وسط ایشیا: نئی آزادی، نئے چیلنج

آصف جیلانی

سابق سوویت یونین کی نو آزاد مسلم جمہوریاؤں کے سفر کے تجربات ومشاہدات پر مبنی بی، بی، سی لندن کی اردو نشریات سے نشر ہونے والے سلسلہ وار پروگراموں پر مشتمل ایک دستاویز۔

قیمت:-/51 روپے

معیار اردو

مرتبہ: نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل

یہ کتاب زبان اردو کے محاورات کا مجموعہ ہے۔ اس کے مطالعے سے طلبہ اور ریسرچ اسکالرز محاورات کا صحیح استعمال کر سکتے ہیں۔

قیمت:-/21 روپے

سیرت طیبہ میں سماجی انصاف کی تعلیم

پروفیسر اختر الواسع

پروفیسر اختر الواسع نے ۱۸ر جون ۱۹۹۱ء کو انجمن اسلام ممبئی کی دعوت پر "معین الدین حارث یادگاری سیرت لیکچر" کے سلسلے میں مندرجہ بالا عنوان کے تحت جو خطبہ پیش کیا تھا، اسے اب کتابی صورت میں شائع کیا گیا ہے۔ قیمت:-/10 روپے

تاریخ نگاری۔ قدیم وجدید رجحانات

ڈاکٹر سید جمال الدین

زیر نظر کتاب میں اردو کے قاری کو ۹ بلند پایہ مورخین اور ان کے فن تاریخ نگاری سے متعارف کرانے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ ان میں یونان، عرب، جرمن، برطانیہ اور ہندستان کے مورخین شامل ہیں۔ قیمت:-/51 روپے

عبارت کیسے لکھیں؟ رشید حسن خاں

یہ کتاب اس لیے مرتب کی گئی ہے کہ ہمارے طالب علموں کو املا کے بارے میں ضروری معلومات حاصل ہوسکیں اور وہ ان خرابیوں سے محفوظ رہ سکیں جن سے عبارت میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ قیمت:-/18 روپے

محاورات ہند سبحان بخش

بہ تصحیح وترتیب: محبوب الرحمٰن فاروقی

محاورات کے اس مجموعے کا پہلا اڈیشن ۱۹۱۳ء میں شائع ہوا تھا۔ اس میں دہلی کے گرد و نواح کے محاورے اکٹھا کرکے بہ حروف تہجی یکجا کردیے گئے ہیں۔ (زیر طبع)

تذکیر وتانیث

نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل جانشین امیر مینائی، حافظ جلیل نے اس قیمتی کتاب کے ذریعے زبان اردو میں تذکیر وتانیث کا ایک فتاویٰ مدون کیا ہے۔ اس میں سات ہزار الفاظ کی تذکیر وتانیث بتائی گئی ہے۔ اہل اردو کے لیے ایک قیمتی تحفہ۔ (زیر طبع)

آگے سمندر ہے (ناول) انتظار حسین

انتظار حسین کا شمار اردو کے صف اول کے ناول نگاروں میں ہوتا ہے۔ ''آگے سمندر ہے'' آپ کا تازہ ترین ناول ہے۔ قیمت:-/150 روپے

تعلیم وتعلم ڈاکٹر محمد اکرام خاں

ڈاکٹر محمد اکرام خاں کا تعلق درس وتدریس سے رہا ہے۔ ''تعلیم'' کے موضوع پر موصوف کی کئی اہم کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔ زیر نظر کتاب آپ کے تجربوں کا نچوڑ ہے۔ قیمت:-/75 روپے

تفہیم رشید حسن خاں

اردو کے بلند پایہ محقق، دانشور اور زبان کے پارکھ جناب رشید حسن خاں کے اہم ترین مضامین کا نیا مجموعہ۔ قیمت:-/75 روپے

چہرہ در چہرہ مجتبیٰ حسین

مجتبیٰ حسین نے بلاشبہ شخصی خاکہ نگاری کو ایک نیا اسلوب اور نیا آہنگ عطا کیا ہے۔ اردو کی بیس اہم شخصیتوں کے باغ وبہار خاکے۔

(زیر طبع)

فی البدیہہ　　یوسف ناظم

اردو کے ممتاز طنز و مزاح نگار یوسف ناظم کے ۱۶ دلچسپ اور قہقہوں سے بھرپور مضامین کا نیا مجموعہ۔
قیمت:-/45 روپے

اردو شاعری کی گیارہ آوازیں

عبدالقوی دسنوی

اس کتاب میں اردو کے گیارہ شاعر (اکبر، حالی، چکبست، سید سلیمان ندوی، پرویز شاہدی، فراق، ساحر، جاں نثار اختر، فیض احمد فیض اور مجروح) کی شاعری اور فن پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔
قیمت:-/75 روپے

انشا اور تلفظ　　رشید حسن خاں

یہ کتاب آپ کے لیے اردو کے ممتاز محقق اور اردو زبان کے پارکھ جناب رشید حسن خاں نے لکھی ہے۔ اس کے مطالعے سے آپ کو معلوم ہوگا کہ جملہ یا عبارت کس طرح لکھی جائے اور اس کی خوبیاں اور خرابیاں کیا ہیں۔
قیمت:-/12 روپے

شعریات سے سیاسیات تک

غلام ربانی تاباں مترجم: اجمل اجملی

فرقہ واریت کے خلاف تاباں صاحب کے انگریزی مضامین کا اردو ترجمہ۔
قیمت:-/51 روپے

سرسید اور روایت کی تجدید

پروفیسر مونس رضا

سرسید اور اردو یونیورسٹی

پروفیسر مسعود حسین خاں

مرتبہ: خواجہ محمد شاہد

سرسید یادگاری خطبات کا سلسلہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اولڈ بوائز ایسوسی ایشن دہلی نے ۱۹۸۶ء میں شروع کیا تھا۔ اب تک چار ممتاز دانشوروں کے خطبات شائع کیے جا چکے ہیں۔ زیر نظر مجموعہ بھی اس سلسلے کی اہم کڑی ہے۔
(زیر طبع)

آدم خور چیتا

ریاض احمد خاں

اس کتاب میں شکار کی جتنی کہانیاں ہیں سب سچی اور آنکھوں دیکھی ہیں۔ حیرت انگیز اور دل دہلا دینے والی کہانیاں۔
قیمت:-/45 روپے

جھینی جھینی بینی چدریا　　عبدل بسم اللہ

مترجم: وسیم حیدر ہاشمی

سوویت لینڈ نہرو ایوارڈ اور کیڈیا ایوارڈ یافتہ

یہ ناول بنارس کے انصاری بھائیوں کی تہذیب و تمدن کی ایک روشن تصویر ہے جس کو ناول نگار نے

دس سال بنکروں کے بیچ رہ کر انھیں کی زبان اور کلچر پر قلم بند کیا ہے۔

قیمت:-/75 روپے

انداز گفتگو کیا ہے شمس الرحمٰن فاروقی

اس کتاب میں شامل اکثر مضامین گفتگو کا موضوع رہے ہیں اور اس بنا پر ان کے ذریعے کچھ پرانے مسائل پر نئی گفتگو کا آغاز ہوا۔ ان کے تمام مضامین میں شاعروں اور شاعری کو ہی معرض بحث میں لایا گیا ہے۔ ایک نہایت اہم مضامین کا مجموعہ۔ (زیر طبع)

دستک اس دروازے پر وزیر آغا

اس کتاب میں موجودیت کا فلسفہ اور اس سلسلے میں مغرب کے فلسفے، تصوف اردو ادب کی مختلف تحریکوں کا بیان ہے۔ عارفانہ تجربے اور تخلیقی تجربے کا فرق ہی اس کتاب کا موضوع ہے۔

قیمت:-/51 روپے

مٹی کا بلاوا (ڈرامے) شمیم حنفی

سب سے بڑا ڈراما خود انسانی زندگی ہے۔ شمیم حنفی کے یہ ڈرامے زندگی کے ڈرامے کا ایک منظر ترتیب دیتے ہیں۔ ایک نئے تہذیبی اور سماجی زاویہ نظر کا عکس ان میں بیشتر ڈرامے ٹیلی ویژن اور ریڈیو کی نشریات کے ذریعے مقبول ہو چکے ہیں۔

قیمت:-/60 روپے

شناش و شناخت انور صدیقی

پروفیسر انور صدیقی کے بارہ اہم ادبی وتنقیدی مضامین کا پہلا مجموعہ جس کے مضامین اردو ادب کے طلبہ اور اساتذہ کی معلومات میں اضافہ کریں گے۔ قیمت:-/60 روپے

صحرانورد کے خطوط میرزا ادیب

صحرانورد کے خطوط آج سے کم و بیش تیس برس پہلے شائع ہوئی تھی۔ اب تک اس کے بارہ اڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اردو کے کسی افسانوی مجموعے کو اس قدر مقبولیت حاصل نہیں ہوئی جتنی صحرانورد کے خطوط کو۔

قیمت:-/75 روپے

کچھ مشرق سے کچھ مغرب سے

ڈاکٹر نقی حسین جعفری

انگریزی عشقیہ شاعری کے فروغ میں اندلسی اور عرب تہذیب و ادب کے بعض مصادر کی نشان دہی اور فراق اور شہریار کی شعری حسیات میں مغربی رجحانات کے بارے میں علمی مضامین، گلستان سعدی کے منظوم اردو تراجم، دانشوری اور تصور مذہب، میر، سودا اور ناصر کاظمی کی غزلوں کے تجزیے شامل ہیں۔

قیمت:-/51 روپے

اسرارِ خودی (فراموش شدہ اڈیشن)

ترتیب: شائستہ خاں

علامہ اقبال کی ''اسرارِ خودی'' کے پہلے اڈیشن میں گیارہ اشعار پیش کش سے نکال کر تمہید میں منتقل کردیے گئے ہیں۔ کون سے اشعار حذف کیے اور وہ کہاں گئے؟ اور وہ اشعار کون سے تھے؟ یہ آپ کو اس کتاب کے عکسی اڈیشن سے معلوم ہوگا۔

قیمت: -/75 روپے

جامِ جہاں نما گربچن چندن

ہندستان میں اردو صحافت کے آغاز کے بارے میں نئی دریافتوں کی حامل یہ کتاب پہلی بار ان حقائق کو پیش کرتی ہے جو اب تک نیشنل آرکائیوز آف انڈیا اور برٹش لائبریری کے شعبۂ مستشرق میں مستور تھے۔ مصنف نے اوریجنل ریکارڈ کے مشاہدے کے بعد مسلمہ نظریات کا بیباک جائزہ لیا ہے اور اردو کے اس اولین مطبوعہ اخبار کے حقیقی موقف، کردار اور مرتبے کی صراحت کی نشان دہی کی ہے۔ ۱۹ویں صدی میں ہندستان اور اردو صحافت کی پیش رفت میں جامِ جہاں نما نے ڈالا۔

قیمت: -/75 روپے

مسلمانوں کا تعلیمی نظام

ضیاء الحسن فاروقی

اس کتاب میں مسلمانوں کے تعلیمی نظام سے متعلق چار اہم مضامین ہیں جن میں قیام مدارس کی تحریک، بغداد کا مدرسہ اور مسلمانوں کا نظام تعلیمی (عہد وسطیٰ کے ہندستان میں) خاصی معلومات فراہم کرتے ہیں۔

(زیرِ طبع)

حمورابی اور بابلی تہذیب وتمدن

مالک رام

دنیا کے علم وفن، آئین وقوانین، حکومت، نسق، مذہب، معاشرت، غرض کہ زندگی کے ہر شعبے کی تشکیل وترقی اور ترویج میں بابل کا جو مقام رہا ہے اس کی تفصیل آپ کو اس کتاب میں ملے گی۔ اردو میں اپنی نوعیت کی پہلی اور اہم ترین دستاویز۔

قیمت: -/75 روپے

تذکرہ ماہ وسال مالک رام

اس مجموعے میں اردو کے بیشتر ادیب، شاعر، نقاد، کالم نگار، صحافی اور دوسرے اہم عمائد (جنھوں نے اردو ادب کی قابل قدر خدمت کی ہے) کی تاریخ ولادت اور جو ہماری بدقسمتی سے انتقال کرچکے ہیں ان میں سے اکثر کی تاریخ وفات بھی درج ہے۔ کسی بھی اہم ادیب پر مضمون لکھتے وقت، اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔

(زیرِ طبع)

اپنے دل کی حفاظت کیجیے

ڈاکٹر لیفٹیننٹ کرنل کے، چوپڑا

ایف، آر، سی پی

ترجمہ: نذیرالدین مینائی

خدانہ کرے کسی کو دل کا دورہ پڑے، اور کچھ نہیں احتیاطی تدابیر تو کر ہی سکتے ہیں۔ اس کتاب میں ڈاکٹر کے، ایل چوپڑا نے دل کا فعل، دل کا دورہ قلبی انجوگرافی، بائی پاس سرجری سبھی کچھ بیان کردیا ہے۔ کتاب باتصویر ہے۔

(زیر طبع)

شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان

تالیف: مولانا حکیم محمود احمد برکاتی

اس کتاب میں برکاتی صاحب نے حضرت مولانا شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں۔ نیز ان کی تصانیف، تلامذہ، مریدین شاہ ولی اللہ کا تعارف بھی ہے۔

(زیر طبع)

افکار اقبال — محمد عبدالسلام خاں

اس اہم کتاب میں علامہ اقبال کے حالات زندگی، ان کے اردو اور فارسی کلام پر سیر حاصل بحث، ان کے مذہبی اور سیاسی افکار اور کچھ ایسے اہم واقعات کی نشاندہی کی گئی ہے جو اب تک اندھیرے میں تھے۔ (زیر طبع)

تحقیق نامہ — مشفق خواجہ

مشفق خواجہ اردو کے وہ واحد محقق ہیں جو ہمیشہ ایسے موضوعات کا انتخاب کرتے ہیں جو اپنی اہمیت کی بنا پر ہماری ادبی تاریخ کے کسی نہ کسی خلا کو پُر کرتے ہوں۔ زیر نظر مجموعہ میں ایسے ہی اہم ترین مضامین شامل ہیں۔ قیمت:-/125 روپے

مرضیات — حکیم نعیم الدین زبیری

بیماریوں کے اصول یا اسباب اور ان کی وجہ سے افعال میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں کے مطالعے یعنی ماہیت الامراض (پیتھالوجی) پر جامع اور آسان بحث، طلبہ کے علاوہ اطبا کے لیے بھی بے حد مفید ہے۔ قیمت:-/75 روپے

تأثر نہ کہ تنقید — صدیق الرحمٰن قدوائی

تنقید ادب کی اہم شاخ ہے مگر اس کا ضرورت سے زیادہ چرچا بھی اچھا نہیں۔ یہ کیا ضروری ہے کہ ادب سے دلچسپی رکھنے والا ہر شخص زاویوں سے دیکھا جا سکتا ہے جن کا انحصار پڑھنے والوں کے انفرادی مزاجوں پر ہے۔ یہ تصنیف ادب سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے ایک نیا نقطۂ نظر پیش کرتی ہے۔ قیمت:-/51 روپے

گوشے میں قفس کے — دلیپ سنگھ

دلیپ سنگھ کا نام اب طنزیہ ادب میں کسی

تعارف کا محتاج نہیں۔ ''گوشے میں قفس کے'' آپ کے طنزیہ مزاحیہ مضامین کا تازہ ترین مجموعہ ہے۔ قیمت:-/45روپے

یہ صورت گر کچھ خوابوں کے

طاہر مسعود

(۱۹ ادیبوں کے انٹرویو)

طاہر مسعود نوجوان صحافی اور کالم نگار ہیں۔ آپ نے عہد حاضر کے ۱۹ ادیبوں کے انٹرویو لیے ہیں۔ اس میں طاہر مسعود کے چبھے ہوئے سوالات اور ادیبوں کے چونکا دینے والے جوابات شامل ہیں۔ قیمت:-/66روپے

سحر کے پہلے اور بعد

میرزا سعید الظفر چغتائی

یہ ایک قصبے کی سماجی اور سیاسی تناظر میں لکھی ہوئی کہانی ہے۔ جس میں مصنف کے بچپن کی گلیاں سعدیؒ کے گلستاں کی طرح حسین نظر آرہی ہیں۔ دلچسپ جگ بیتی۔ قیمت:-/51روپے

ہارے ہوئے لشکر کا آخری سپاہی

(ناول) کشمیری لال ذاکر

کشمیری لال ذاکر کا بھوپال گیس ٹریجڈی کے موضوع پر نیا ناول۔ انسانی رشتوں کے بننے، استوار ہونے اور ٹوٹنے کی درد انگیز داستان جو ہمارے دل ودماغ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتی ہے۔

قیمت:-/48روپے

تحریریں

اسلم پرویز

اردو کے جانے مانے ادیب اور نقاد ڈاکٹر اسلم پرویز کے اہم مضامین کا اہم ترین مجموعہ۔ قیمت:-/51روپے

سفر (ناول)

رابعہ تبسم

رابعہ تبسم کا ایک اچھوتا رومانی ناول۔ روزانہ زندگی میں پیش آنے والی خوشیوں اور غموں کا سنگم۔ یہ انتہائی رنگین ہے اور سنگین بھی۔

قیمت:-/27روپے

خواب اور خلش

(شعری مجموعہ)

آل احمد سرور

شاعری ذات سے کائنات تک کا سفر ہے۔ یہ خوابوں کے ذریعے حقائق کی توسیع کا نام ہے۔ بڑی شاعری تجربے سے مدد لیتی ہے مگر وہ روایت اور تجربے میں ایک توازن رکھتی ہے۔ آل احمد سرور کی شاعری صرف الفاظ کا گورکھ دھندا نہیں بلکہ اس میں معانی کا ایک سمندر ہے۔ جس کی تہہ میں پہنچ کر ہی موتی نکالے جاسکتے ہیں۔ قیمت:-/66

غبارِ منزل

غلام ربانی تاباں

اردو کے ممتاز شاعر جناب غلام ربانی تاباں کی غزلوں، نظموں اور قطعات کا تازہ ترین مجموعہ جس میں سازلرزاں، ذوق سفر اور نوائے آوارہ کا

انتخاب بھی شامل ہے۔

قیمت:/45روپے

فرید و فرد فریدؒ

ڈاکٹر اسلم فرخی

شیخ کبیر فرید الدین مسعودؒ اور شیخ نظام الدین اولیاؒ محبوب الٰہی کے روحانی سفر کی روداد۔

قیمت:-/27روپے

پہچان اور پرکھ

پروفیسر آل احمد سرور

اس مجموعے میں پروفیسر آل احمد سرور کے جو مضامین شامل ہیں ان کا تعلق زیادہ تر شاعروں اور شاعری کی خصوصیات سے ہے۔ میر، غالب، انیس، حسرت، فانی، جوش اور فراق کی شخصیت اور شاعری پر بھرپور مضامین کا اہم مجموعہ۔

قیمت:-/51روپے

اردو کے طلبہ کے لیے
سستی کتابوں کا نیا سلسلہ

اقبال کے اردو کلام کے مجموعے

بانگ درا: -/21

بال جبریل: -/10

ضرب کلیم: مع ارمغان حجاز -/10

(اردو نظمیں)

پیامی قواعد اردو

قواعد جیسے خشک مضمون کو سمجھنے، سمجھانے اور برتنے کے لیے نہایت آسان زبان میں ترتیب دی ہوئی یہ قواعد اساتذہ اور طلبہ کے لیے نہایت مفید ہے۔

قیمت:-/8

(طلبہ اڈیشن) زیر طبع

ہندستان میں مسلمانوں کی تعلیم

ڈاکٹر سلامت اللہ

اس کتاب میں مسلمانوں کی تعلیم کے جن مسائل کی نشان دہی کی گئی ہے وہ مصنف کے نزدیک سب سے زیادہ اہم ہیں۔ اس لیے اس کے تاریخی اور حالیہ شواہد موجود ہیں۔ ماہر تعلیم ڈاکٹر سلامت اللہ کی اہم ترین تصنیف۔

قیمت:-/51روپے

اقبال کا نظریہ خودی

عبدالمغنی

اس کتاب میں نظریہ خودی کو مرکزی نقطہ فرض کر کے اقبال کے پورے نظام فکر کی تلاش کی گئی ہے تاکہ ایک طرف دنیا کی سب سے بڑی شاعری کی حقیقی جہت واضح ہو اور دوسری طرف آج کی انسانیت کو اپنی ارتقا کی صحیح سمت دریافت کرنے میں سہولت ہو۔

(زیر طبع)

پت جھڑ کی آواز — قرۃ العین حیدر

برصغیر کی ممتاز ترین افسانہ نگار قرۃ العین حیدر کی اہم کہانیوں کا مجموعہ۔ یہ کہانیاں دلچسپ بھی ہیں اور زندگی کی صحیح عکاسی بھی کرتی ہیں۔ (زیرِ طبع)

جدید افسانہ اور اس کے مسائل

وارث علوی

اردو کے ممتاز نقاد وارث علوی کے تنقیدی مضامین کا تازہ ترین مجموعہ، اردو افسانہ کے متعلق ایک اہم دستاویز۔ (زیرِ طبع)

قلندر بخش جرأت — جمیل جالبی

اردو کے نامور عالم محقق ڈاکٹر جمیل جالبی کا ایک نہایت اہم خطبہ موصوف نے ۸/نومبر ۱۹۸۹ء کو ڈاکٹر سید عابد حسین میموریل ٹرسٹ کے سیمینار میں پیش کیا تھا۔ قیمت:-/10 روپے

میں سمندر ہوں — فرحان سالم

شعری مجموعوں کی بھیڑ میں سب سے الگ، منفرد اردو کے تاروں کو چھیڑنے والا شعری مجموعہ۔
قیمت:-/30 روپے

اردو ڈرامے کی تنقید کا جائزہ

ابراہیم یوسف

اس مجموعے میں اردو ڈرامے کی محرکات اور رجحانات جو ابتدا سے تا حال کارفرما رہے ہیں، پیش کیے گئے ہیں۔ قیمت-/45 روپے

صحرا میں لفظ — فضیل جعفری

فضیل جعفری کا شمار آج کے عہد کے سنجیدہ اور ذمہ دار نقادوں میں ہوتا ہے۔ دورِ حاضر کے شاعروں پر لکھے ہوئے موصوف کے ۲۴ نہایت اہم مضامین کا مجموعہ۔ قیمت:-/90 روپے

سدابہار چاندنی (افسانے) — رام لعل

اردو کے مقبول و ممتاز افسانہ نگار رام لعل کے افسانوں کی ٹیکنک پر پورا اترتا ہے۔
قیمت:-/30 روپے

کتاب نما کے خصوصی شمارے

مجتبیٰ حسین نمبر

(شخصیت اور ادبی خدمات)

مرتب: ڈاکٹر محمد کاظم

مجتبیٰ حسین بیک وقت خاکہ نگار بھی ہیں تو کالم نگار بھی، مضمون نگار بھی ہیں اور سفرنامہ نگار بھی۔ اس مجموعے میں ہندو پاک کے ممتاز ادیبوں نے ان کے فن کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے۔

قیمت:-/125 روپے

پروفیسر عبدالستار دلوی نمبر

(شخصیت اور ادبی کارنامے)

مرتبہ: پروفیسر انورالدین

دلوی صاحب اردو کی ایک سربرآوردہ اور جلیل القدر شخصیت ہیں۔ پیش نظر کتاب دلوی صاحب کی خدمت میں ایک نذرانہ عقیدت ہے جس میں ان کی وسیع الاطراف خدمات اور کثیر الابعاد کارناموں کو خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے اور حتی المقدور ان کی قلمی فتوحات اور ارتسامات کی قدر و قیمت کا جائزہ لینے کی کوشش بھی کی گئی ہے۔

قیمت: 120/- روپے

ابوالکلام قاسمی نمبر

(شخصیت اور ادبی کارنامے)

مرتب: ڈاکٹر مشتاق صدف

مشرقی شعریات اور ادبیات کے ماہر دانشور اور نقاد پروفیسر ابوالکلام قاسمی کی حیات و جہات پر کتاب نما کا دستاویزی خصوصی شمارہ۔ اس مجموعے میں ممتاز ادیبوں نے انتہائی معروضیت کے ساتھ قاسمی صاحب کی تنقیدی اسلوب اور اردو کے فکری رویے کو موضوع بنایا ہے اور یہ کوشش کی ہے کہ ان کے تنقیدی امتیازات کا تعین ہو سکے۔

قیمت: 175/- روپے

پروفیسر وہاب اشرفی نمبر

(شخصیت اور ادبی کارنامے)

راشد انور راشد

کتاب نما کے اس نمبر میں شامل مختلف مضامین وہاب اشرفی کی ناقدانہ شناخت کو صحیح تناظر میں واضح کرتے ہیں۔ موجودہ عہد کے ایک اہم ناقد پر لکھتے ہوئے بیشتر لوگوں نے بغیر جانبدارانہ محاسبے کو پیش نظر رکھا ہے۔

اس مجموعے میں شامل تمام مضامین بحیثیت نقاد وہاب اشرفی کو سمجھنے میں مدد کریں گے۔

قیمت: 150/- روپے

مولانا ابوالکلام آزاد کے محقق

ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری نمبر

(شخصیت اور ادبی کارنامے)

مرتبین: ڈاکٹر خلیق انجم/ پروفیسر اختر الواسع

ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری ہندو پاک کی اردو دنیا کا ایک مشہور معروف نام ہے۔ ان کا شمار اردو کے صف اول کے ایسے مصنفین میں ہوتا ہے جو ہر ادبی و علمی کام بڑی محنت، جستجو و دیدہ ریزی سے کرتے ہیں۔

ان کے انھیں کاموں کا اعتراف اردو کے قدآور مصنفین نے کتاب نما کے اس خصوصی شمارے کے ذریعے قارئین سے کرایا ہے۔

قیمت: 60/- روپے

رشید حسن خاں

(شخصیت اور ادبی کارنامے)

مرتبہ: اطہر فاروقی

اردو میں ادبی تحقیق کو جن لوگوں کی بدولت آبرومندانہ مقام حاصل ہوا ہے، ان میں رشید حسن خاں کا نام ایک روشن چراغ کی حیثیت رکھتا ہے جنھوں نے اوہام و مفروضات کے ہر بت کو توڑنے اور ہر حقیقت کو واشگاف انداز میں بیان کرنے کا فریضہ کسی تامل اور تکلف کے بغیر پوری جرأت اور راست بازی کے ساتھ انجام دیا ہے۔ اپنی اس شناخت کو برقرار رکھتے ہوئے انھوں نے پچھلے چالیس برسوں میں مختلف موضوعات پر جس قدر اور جس پائے کا کام کر کے علمی کارکردگی کی جو قابل رشک مثال قائم کی ہے وہ ایک منفرد اور لائق تحسین امتیاز ہے۔ اردو کے اہم ادیبوں، شاعروں اور نقادوں کی تحریروں کا اہم مجموعہ۔ قیمت:-/125 روپے

میر ببر علی انیس نمبر

مرتب: غلام حیدر

اردو زبان کے رثائی ادب کے خدائے سخن میر انیس کے دو سو سالہ یوم پیدائش پر پیش کیے جانے والے اہم مضامین کا مجموعہ۔ اس میں میر انیس کے فن، مرثیہ، سلام، رباعی، غزلیات اور مرثیہ خوانی پر ملکی اور غیر ملکی موجودہ ناقدین و مبصرین کے مضامین انیس کے مرثیوں کے انگریزی تراجم پر تبصرہ / موجودہ شعرا کا منظوم خراج عقیدت، متقدمین کے تبرکات / تبرکاتِ کلامِ انیس (انتخاب) تصاویر اور عکسِ تحریر شامل ہیں۔ قیمت:-/180 روپے

پروفیسر علی محمد خسرو (حیات و خدمات)

مہمان مدیر: پروفیسر اختر الواسع

معاون مدیر: فرحت احساس / تجمل حسین

خسرو صاحب کا شمار بیسویں صدی کے ان گنے چنے دانشوروں میں ہوتا ہے جنھوں نے ادبی، سیاسی، تہذیبی زندگی کے علاوہ اقتصادیات کے شعبے میں بھی گہری چھاپ چھوڑی ہے۔ ملک کے نامور ادیبوں کے لکھے ہوئے مضامین کا مجموعہ، اس کا پیش لفظ جناب سید شاہد مہدی شیخ الجامعہ، جامعہ ملیہ اسلامیہ نے لکھا ہے۔ قیمت:-/90 روپے

حامدی کاشمیری (شخصیت اور ادبی خدمات)

مرتبہ: کوثر مظہری

کتاب نما کا شمار اپنے کئی اوصاف کی بنا پر اردو کے چند اہم رسائل میں ہوتا ہے۔ اس کے خصوصی شمارے بھی جو کتابی صورت میں شائع ہوتے ہیں اور مستقل اشاعت سے الگ ہوتے ہیں۔ پروفیسر حامدی کاشمیری کی شخصیت اور ادبی خدمات پر ملک و بیرون ملک کے ممتاز ادیبوں اور نقادوں کے لکھے ہوئے اہم مقالات کا مجموعہ۔

قیمت:-/175 روپے

محبوب حسین جگر

(شخصیت اور صحافتی خدمات)

مرتبہ: پروفیسر نثار احمد فاروقی

جگر صاحب کی شخصیت ایک مقصد کے لیے ان کی قربانی، ان کا بلند کردار، اور ''روزنامہ سیاست حیدرآباد'' کے ذریعے اردو صحافت میں ان کی مثالی خدمات اپنی مثال آپ ہیں۔ اس شمارے میں ملک کے لگ بھگ بیس اہم ادیبوں کے مضامین شامل ہیں۔ قیمت:-/75

جمنا داس اختر مرتبہ: گربچن چندن

جمنا داس اختر کا نام اردو سنجیدہ صحافت کی آبرو ہے۔ اس خصوصی شمارے میں ملک اور بیرون ملک کے ممتاز ادیبوں اور صحافیوں نے اختر صاحب کی خدمات کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے۔ اس شمارے کی حیثیت تاریخ ہند کے اہم باب کی ہے۔ قیمت:-/90 روپے

شمس الرحمٰن فاروقی

(شخصیت اور ادبی خدمات)

مرتبہ: احمد محفوظ

اردو کے معتبر ادیب، نقاد اور شاعر شمس الرحمٰن فاروقی کی اعلا خدمات کے اعتراف میں اردو کے ممتاز ادیبوں کی نگارشات کا اہم مجموعہ۔

قیمت:-/80 روپے

اردو افسانہ بمبئی میں (۱۹۷۰ء کے بعد)

مرتبہ: الیاس شوقی

کتاب نما کے اس خصوصی شمارے میں نئی نسل کے ۹ نمائندہ افسانہ نگاروں کا ایک ایک افسانہ شائع کیا گیا ہے۔ قیمت:-/51 روپے

مغیث الدین فریدی

(شخصیت اور ادبی خدمات)

مرتبہ: ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی

یہ کتاب نما کا خصوصی شمارہ ہے۔ اس میں فریدی صاحب کی شخصیت، شاعری، تاریخ گوئی اور تضمین نگاری پر اردو کے نامور ادیبوں نے اپنے بہترین خیالات کا اظہار کیا ہے۔ قیمت:-/45 روپے

خواجہ حسن نظامی (شخصیت اور ادبی خدمات)

مرتبین: نثار احمد فاروقی / ریحان احمد عباسی

اردو کے صاحب طرز ادیب، صحافی، خاکہ نگار، مترجم و مفسر قرآن خواجہ حسن نظامی کے فن اور شخصیت پر اردو کے ممتاز ترین ادیبوں کی نگارشات کا اہم مجموعہ۔ قیمت:-/75 روپے

مولانا عبدالوحید صدیقی

(شخصیت اور ادبی خدمات)

مرتبہ: پروانہ ردولوی

اردو کے بیباک اور حق شناس صحافی مولانا

عبدالوحید صدیقی کی ادبی اور صحافتی خدمات کے اعتراف میں ملک کے بزرگ صحافیوں اور اہل علم کی نگارشات کا مجموعہ۔ قیمت:-/51 روپے

غلام ربانی تاباں

(شخصیت اورادبی خدمات)

مرتبین:

اجمل اجملی / ڈاکٹر صغریٰ مہدی / عذرا رضوی

اردو کے ممتاز غزل گو شاعر غلام ربانی تاباں مرحوم کی شاعری اور فن پر اردو کے ممتاز اہل قلم کی نگارشات کا مجموعہ۔ قیمت:-/75 روپے

پروفیسر نثار احمد فاروقی

(شخصیت اورادبی خدمات)

مرتبہ: خلیق انجم / ایم حبیب خاں

عربی، فارسی کے اسکالر اور اردو کے معتبر ترین ادیب، نقاد اور محقق پروفیسر نثار احمد فاروقی کی ادبی خدمات کے اعتراف میں ملک، بیرون ملک کے بلند پایہ مصنفین کے مضامین کا مجموعہ۔

قیمت:-/51 روپے

اختر سعید خاں (شخصیت اورادبی خدمات)

مرتبہ: ڈاکٹر سید حامد حسین

اختر سعید خاں نے جہاں غزل کی روایت کا احترام سیکھا وہیں شعر کے تخلیقی منصب کی پاسداری بھی سیکھی۔ ترقی پسند تحریک سے وابستگی نے انھیں زندگی کا ایک واضح شعور بخشا۔ اردو کے ممتاز غزل گو شاعر کی شخصیت اور فن پر ایک اہم شمارہ۔ قیمت:-/51 روپے

نذر پروفیسر احتشام احمد ندوی

مرتبہ: صفیہ بی

پروفیسر احتشام احمد ندوی کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ وہ اپنی علمی و ادبی نگارشات اور اعلا تنقیدی و تاریخی ذوق کے حوالے سے تعلیمی و تحقیقی معاشرہ میں اپنا ایک الگ مقام رکھتے ہیں۔ اس مجموعے میں مقالہ نگاروں نے ان کے اخلاق و سیرت حسن سلوک، منظم و باوقار اور خوش اوقات زندگی کو نمایاں کرنے کے ساتھ ان کی تصنیفات سے متعلق بھی گفتگو کی ہے۔ قیمت:-/100 روپے

پروفیسر آل احمد سرور

(شخصیت اورادبی خدمات)

مرتبہ: خلیق انجم

پروفیسر آل احمد سرور اردو کے ایک مشفق اور مقتدر استاد بھی ہیں اور صاحب طرز انشا پرداز بھی۔ ادب کے اعلا نقاد بھی ہیں اور اردو زبان کے نباض بھی۔ (زیر طبع)

عابد علی خاں (شخصیت اورادبی خدمات)

مرتبہ: مجتبیٰ حسین

عابد علی خاں مرحوم ایک انجمن کا نام ہی نہیں

ایک تحریک کا نام بھی تھا۔ اس خصوصی شمارے میں ملک کے ممتاز ادیبوں نے مرحوم کی علمی، ادبی، سماجی اور صحافتی خدمات پر روشنی ڈالی ہے۔

قیمت:-/45روپے

ڈاکٹر اجمل اجملی

(حیات اور ادبی خدمات)

مرتبین: ڈاکٹر علی احمد فاطمی، عذرا رضوی)

اردو، ہندی کے ممتاز ادیبوں کے اہم نگارشات کا مجموعہ جس میں ڈاکٹر اجمل اجملی کی ادبی خدمات کا کھلے دل سے اعتراف کیا گیا ہے۔

قیمت:-/45روپے

پروفیسر گوپی چند نارنگ

(شخصیت اور ادبی خدمات)

مرتبین: پروفیسر شہریار/ پروفیسر ابوالکلام قاسمی

کتاب نما کے اس خصوصی شمارے میں پروفیسر نارنگ کی علمی، ادبی سرگرمیوں کے نمایندہ پہلوؤں سے متعلق مضامین، تاثرات، تنقیدی آرا اور ادبی مسائل پر مکالمہ، سے ان کی دلچسپیوں کا اجمالی خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ قیمت:-/60روپے

علی سردار جعفری

(شخصیت اور ادبی خدمات)

ترتیب: ڈاکٹر رفیعہ شبنم عابدی

سردار جعفری کی شخصیت میں بیک وقت کئی شخصیتیں سانس لے رہی ہیں۔ وہ کون سا میدان ہے جہاں سردار جعفری اپنے فکر و نظر کی جولانیاں دکھاتے ہوئے نظر نہیں آتے۔ صحافت ہو یا ادب، فلم ہو یا ٹی۔وی، ریڈیو ہو یا اسٹیج، خطابت ہو یا شاعری، ان کی مکمل شخصیت کا بھرپور جائزہ۔

(زیر طبع)

فرمان فتح پوری (شخصیت اور ادبی خدمات)

مرتبہ: ڈاکٹر خلیق انجم

فرمان فتح پوری کا خاکہ جن رنگوں سے بنا کتاب نما کے اس شمارے میں انھیں رنگوں کی جھلک پیش کی گئی ہے۔ اردو کے بلند پایہ ادیب، نقاد، مدیر کی خدمت میں اردو کے ممتاز ادیبوں کا خراج عقیدت۔ قیمت: -/25روپے

خلیق انجم (شخصیت اور ادبی خدمات)

مرتبہ: ایم حبیب خاں

ڈاکٹر خلیق انجم کی شخصیت، ادبی اور لسانی خدمات پر ہند اور بیرون ہند کے ممتاز ادیبوں کے مضامین کا مجموعہ۔ قیمت:-/90روپے

خواجہ احمد فاروقی

(شخصیت اور ادبی خدمات)

مرتبہ: ڈاکٹر خلیق انجم

اردو کے نامور ادیب، ممتاز نقاد، سابق صدر شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی (جن کے عہد میں

شعبہ اردو، اپنے کارہائے نمایاں کے لیے پورے ہندستان میں مشہور تھا) کی علمی، ادبی، خدمات کا اعتراف، نہ صرف ان کے شاگردوں نے بلکہ ممتاز ادیبوں نے بھی کیا ہے۔ قیمت-/45

صالحہ عابد حسین

ترتیب: عزیز قریشی رذکیہ ظہیر رصغریٰ مہدی

ہندو پاک کے ممتاز ادیبوں کی نگارشات کا مجموعہ بیگم صالحہ عابد حسین کی شخصیت اور فن پر ایک جامع کتاب۔ قیمت:-/45روپے

نئی نظم کا سفر

مرتبہ: ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی

صلاح کار: ڈاکٹر منیب الرحمٰن رڈاکٹر وحید اختر

اس انتخاب میں ۱۹۳۶ء کے بعد شعر کا مطالعہ اس زاویے سے کیا گیا ہے کہ اقبال اور جوش کے عہد تک کی نظم جس منزل تک پہنچ گئی تھی اس کا بھر پور جائزہ پیش کیا جا سکے۔ طلبہ کے لیے مفید کتاب۔

قیمت:/45روپے

دیگر اداروں کی مطبوعات

حقانی القاسمی نے تخلیقی جنون کی نئی اڑان

تکلف برطرف

(سیاسی، سماجی، ادبی کالموں کا انتخاب)

مقبول ترین ہفت روزہ نئی دنیا نئی دہلی میں چھپنے والے ان کالموں کا مجموعہ جن کا قارئین بے چینی سے انتظار کرتے تھے۔ ادب، سیاست اور سماج کے حسن امتزاج سے تشکیل شدہ، شعری عنوانات میں گتھی ہوئی تحریریں، جن میں جادو کی سی کیفیت ہے۔ قیمت:۔/200 روپے

فرسودہ باعم باعوری تنقیدی بھیڑ سے الگ

تازہ کار اور بیدار تخلیقی ذہن حقانی القاسمی کی

تنقیدی تختیاں

لاتخف (ڈرومت)

مختلف طور وطرز کے مضامین، بالکل مختلف زاویے اور نئی روشنی کے ساتھ سب سے الگ موضوعات اور جداگانہ تخلیقی اسلوب۔ قیمت:۔/75 روپے

گوہرِ رازِ دوام — ڈاکٹر صادقہ ذکی

"گوہرِ رازِ دوام" گڑھوال اور کماؤں ہلز کا سفرنامہ ہے۔ اس میں ڈاکٹر صادقہ ذکی نے ہمالیہ کے قدرتی مناظر کی سیر اس طرح کی ہے کہ پڑھنے والے خود لطف وانبساط کے ساتھ اس سفر کا حصہ بن جاتے ہیں۔ قیمت:100 روپے

ترش وشیریں: (برما کی مختصر کہانیاں)

اردو ترجمہ: تسنیم فضل

"تمی پھ" کی برما کی مختصر کہانیوں کا انگریزی میں ترجمہ محترمہ اوشا نارائن، اہلیہ سابق صدر جمہوریہ ہند نے کیا تھا۔ اس کا اردو ترجمہ محترمہ تسنیم فضل، اہلیہ عظمت مآب جناب محمد فضل گورنر مہاراشٹر نے کیا ہے۔

قیمت:۔/200 روپے

ٹیڑھے نشانے — اختر بستوی

اختر بستوی ایک منجھے ہوئے پختہ طنز و مزاح نگار ہیں۔ وہ صرف الفاظ کے تانا بانا کر مزاح کی فضا نہیں قائم کرتے بلکہ اپنے گرد و پیش کی عام زندگی سے براہ راست اس کے ناہموار اور مضحک پہلوؤں کو اخذ کر کے ان کو اپنا موضوع سخن بناتے ہیں۔

قیمت:۔/125 روپے

ادب کی تعبیر — خالد محمود

ادب کی تعبیر میں مصنف نے میر اور غالب پر طبع آزمائی کی ہے لیکن زاویہ بدل کر، کہیں اقبال کے شاہکار جبریل وابلیس کا تجزیہ کیا گیا ہے تو کہیں جوش ملیح آبادی کے مرثیے کو فکر وفن کے آئینے میں پرکھا گیا ہے۔

قیمت:۔/150 روپے

احمد فراز، ہمایوں ظفر زیدی جنرل مینیجر مکتبہ جامعہ، فخرالدین حسین سیلز مینیجر اور
سید راشد حامدی کی ہمراہی میں مکتبہ جامعہ کے بک اسٹال میں داخل ہوتے ہوئے

زبیر مینائی صدر جامعہ کلچرل کمیٹی سید شاہد مہدی کو گلدستہ محبت پیش کرتے ہوئے

March 2007

Regd. with R.N.I at No. 4967/60
Regd. No. DL(S)-18/3186/2006-08
Licence No. U(SE)-22/2006-2007-2008 to post without pre-payment of postage
Date of posting : Last two days of every month, at Kalkaji, H.P.O., New Delhi-19

KITAB NUMA

JAMIA NAGAR, NEW DELHI-110025
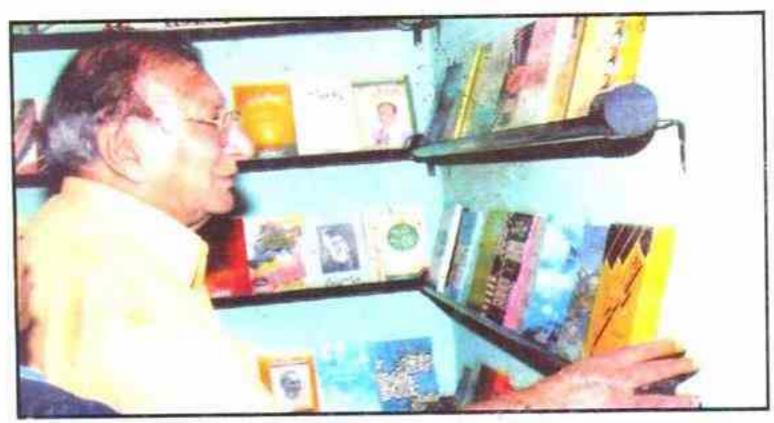
مکتبہ جامعہ کے بک اسٹال پر کتابوں کا معائنہ کرتے ہوئے
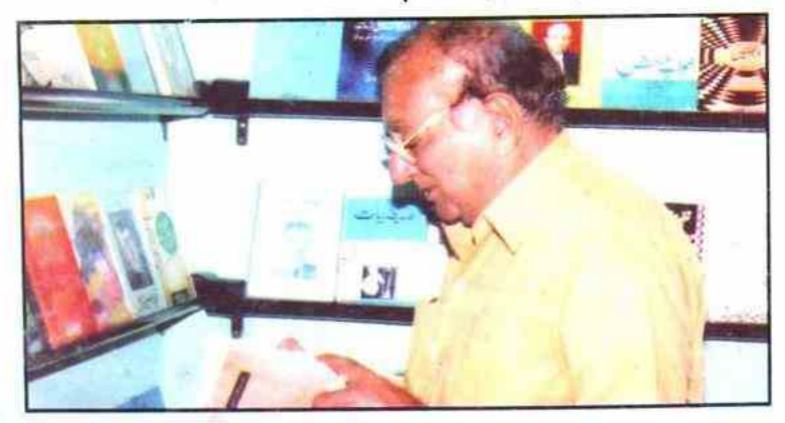
احمد فراز مکتبہ جامعہ کے بک اسٹال پر مکتبہ کی کسی خصوصی اشاعت کا مطالعہ کرتے ہوئے

Printed & published A. Qadeer Khan. Printed at Liberty Art Press, 1528, Pataudi House, Darya Ganj, New Delhi-110002, published from Maktaba Jamia Ltd., Jamia Nagar. New Delhi-110025